ماہنامہ عرفات لاہور
جون/جولائی 2026ء

نشان راہ
مدیر اعلیٰ کے قلم سے

اداریہ

حج بیت اللہ کے شاندار انتظامات

ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی (ستارہ امتیاز)

❖ تجدید و احیائے دین کے ایک روشن مہتاب
پیر مہر علی شاہ قدس سرہ
علامہ غلام نصیر الدین چشتی

❖ علماء کی معاشی خود داری عزتِ علم کا استعارہ
مفتی اعجاز فریدی

❖ شرک کا معنیٰ و مفہوم
مولانا محمد رمضان چشتی

❖ مسلم تشخص کے تحفظ کیلئے صدر الافاضل کی جدوجہد
پروفیسر محمد آصف طاہر

❖ ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی حس مزاح
ڈاکٹر کلیم اختر قیصرانی

ادارہ عرفات دار العلوم جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

فہرست عرفات

نمبرشمار	عنوانات	تحریر	صفحہ نمبر
1	حمد باری تعالیٰ	افتخار عارف	3
2	نعت رسول مقبول ﷺ	جلیل عالی	4
3	اداریہ	ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی	5
4	خلاصۃ القرآن	ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی	8
5	تجدید واحیائے دین کے ایک روشن مہتاب پیر مہر علی شاہ قدس سرہ	علامہ غلام نصیر الدین چشتی	11
6	علماء کی معاشی خودداری عزتِ علم کا استعارہ	مفتی اعجاز فریدی	18
7	شرک کا معنی ومفہوم	مولانا محمد رمضان چشتی	21
8	مسلم تشخص کے تحفظ کیلئے صدر الافاضل کی جدوجہد	پروفیسر محمد آصف طاہر	25
9	ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی حسِ مزاح	ڈاکٹر کلیم اختر قیصرانی	35
10	فیک نیوز اور سوشل میڈیا کے فتنوں سے حفاظت	مولانا محمد آصف سعیدی	40
11	صحابہ کرام و اہل بیت عظام کی باہمی محبت و رشتہ داری	سید غلام زین العابدین	46
12	پاکستان میں بڑھتی ہوئی عدم برداشت: اسباب اور حل	بنت خلیل احمد	53
13	عرفات میں گلستان نصیر	علامہ غلام نصیر الدین چشتی	59

حمدِ باری تعالیٰ

حجابِ شب میں تب و تاب خواب رکھتا ہے
درونِ خواب ہزار آفتاب رکھتا ہے
کبھی خزاں میں کھلاتا ہے رنگ رنگ کے پھول
کبھی بہار کو بے رنگ و آب رکھتا ہے
بشارتوں کی زمینیں جب آگ اگلتی ہیں
اس آگ ہی میں گل انقلاب رکھتا ہے
کبھی برستے ہوئے بادلوں میں پیاس ہی پیاس
کبھی سراب میں تاثیر آب رکھتا ہے
سوال اٹھانے کی توفیق بھی اُسی کی عطا
سوال ہی میں جو سارے جواب رکھتا ہے
کبھی فغاں کی طرح رائیگاں اثاثہ حرف
کبھی دعا کی طرح مستجاب رکھتا ہے

(افتخار عارف)

☆☆☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ہر اک بیاں سے بلند اس کی شانِ رحمت ہے
وہ کل جہاں کے لئے آسمانِ رحمت ہے
اُسی کی ذات گرامی کا سایۂ مشفق
سرِ زمان و مکان سائبانِ رحمت ہے
ہزار فلسفے آئے گئے زمانے میں
حرا کا نور بدستور کانِ رحمت ہے
اک ایک اس کا عمل منبع فروغ و نمو
اک ایک اس کا سخن گلستانِ رحمت ہے
تمام سوچ گروہوں میں اِس کی امت وسط
رہِ حیات پہ اک کاروانِ رحمت ہے
ہماری کشتی دل کو ہو فکر طوفاں کیا
ہمیں نصیب سدا بادبانِ رحمت ہے
ہر ایک عہد کے اپنے عذاب ہیں عالی
رہِ نجات وہی آستانِ رحمت ہے

(جلیل عالی)

☆☆☆☆☆

اداریہ

حج بیت اللہ کے شاندار انتظامات

ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی (ستارۂ امتیاز)

۲۰۲۶ء کا حج بیت اللہ اختتام پذیر ہوا۔ پوری دنیا سے ساڑھے سترہ لاکھ سے زائد حجاج کرام حج کر کے واپس عازم سفر ہو گئے۔ یہ حجاج اپنے اپنے ممالک میں پہنچ چکے ہیں۔اس وقت مکہ کے نواحی علاقے عزیزیہ، نسیم، بطحا قریش وغیرہ کی عمارات حجاج سے خالی ہو چکی ہیں۔اب یہ عمارات کم و بیش ۱۰ ماہ خالی رہیں گیں۔۲۰۲۷ء کے حج کے قریب دوبارہ یہ آباد ہونا شروع ہو جائیں گیں۔ یہ علاقے مسجد حرام سے کم و بیش ۶ سے ۱۰ کلومیٹر دور ہیں۔ پاکستان انڈیا، بنگلہ دیش وغیرہ کے اکثر حجاج انہیں علاقوں میں رکھے جاتے ہیں۔ان علاقوں میں مختلف بس سٹاپ مقرر کیے جاتے ہیں اور وہاں ۲۴ گھنٹے فری بس سروس مہیا رہتی ہے تاکہ حجاج کو مسجد حرام تک پہنچایا جا سکے۔۳۰ سے ۴۵ منٹ میں حاجی اپنی عمارت سے مسجد حرام تک پہنچ جاتے ہیں۔اسی طرح حجاج کرام کو ایام حج، ایام حج سے قبل و مابعد سہولتیں مہیا کرنے کی بنیادی ذمہ داری ہر ملک کے ''حج مشن'' کی ہے۔

سب سے زیادہ حجاج کرام انڈونیشیاء کے ہیں جو کہ ۲۲۰۰۰۰ سے زائد ہیں، جبکہ پاکستان کے حاجی ۱۸۰۰۰۰ ہیں۔جن میں سے اس دفعہ ۶۷ فیصد حجاج کرام نے سرکاری حج سکیم کے تحت حج ادا کیا۔ جبکہ ۳۳ فیصد حجاج کرام نے پرائیویٹ کمپنیز کے ذریعے حج ادا کیا۔اگلے سال کے لیے ابھی تجویز ہے کہ ۵۰ فیصد، ۵۰ فیصد کوٹہ مقرر کیا جائے۔یعنی ۵۰ فیصد حج سرکاری سکیم کے مطابق ہوگا اور ۵۰ فیصد حج پرائیویٹ کمپنیز کروائیں گیں۔

پاکستان نے اس دفعہ پھر حج کے بہترین انتظامات کرنے والے ملک کا پہلا انعام جیتا یہ انعام ڈی جی حج مشن عبدالوہاب سومرو نے وصول کیا۔یقیناً حج انتظامات ایسے بہتر تھے کہ اس بنا پر پاکستان کو پہلا انعام ملا۔

سعودی عرب بڑی تیزی سے حج انتظامات کو بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش میں ہے۔ اس لیے۲۰۲۷ءکی حج رجسٹریشن کا آغاز ابھی سے کر دیا گیا ہے۔حج کے انتظامات کا کیلنڈر مرتب کر لیا گیا ہےاور ہر ملک کواس کیلنڈر کی پیروی کرنی ہے۔اگر کرے گا تو وہ اپنے ملک کے حجاج کو حج کروانے کے لیےسعودی عرب بھیج سکے گا ورنہ اس کا کوٹہ ضائع ہو جائے گا اور کسی اور ملک کو دے دیا جائے گا۔

پاکستان نے حج انتظامات کےحوالہ سے کئی اقدامات اٹھائے جو بہترین درجہ کے تھے۔ حجاج کرام کے نام جلدی منتخب ہونے کی وجہ سے مکہ اور مدینہ میں ان کی رہائش گاہوں کا انتخاب اور ہر حاجی کا کمرہ نمبر کا تعین نہایت آسان ہو گیا۔ جب حجاج کرام پاکستان سے روانہ ہوئے تو انہیں ایک کارڈ دیا گیا جس پر ان کے منیٰ کے مکتب، مکہ میں رہائشی عمارت کا نمبر و دیگر معلومات درج تھیں۔حتیٰ کہ جب حاجی اپنی عمارت پر پہنچا تو جس کمرے میں اس کی رہائش ہونی تھی اس کے دروازے پراس کا نام موجود تھا۔

حج مشقت کا دوسرا نام ہے۔اس میں چلنا بہت پڑتا ہے۔ چاہے عمرے وطوائف کرنے ہیں چاہےایام حج میں منیٰ،مزدلفہ،عرفات میں رہنا ہو۔رش اور ازدھام سے بچنے کے لیےمختلف طریقہ کار اختیار کیے گئے۔CCTV کیمروں کے ذریعےاس امر کا تعین کیا جاتا رہا کہ رش کومسجد الحرام کی خالی جگہوں تک کیسے لے کر جانا ہے۔ایام حج میں بعض اطراف میں ایک ایک کلومیٹر تک ٹریفک بند کر دی گئی تا کہ کسی قسم کا حادثہ نہ ہو سکےاور پیدل چلنے والےحجاج کو آسانی کا سامنا کرنا پڑے۔ایام حج میں پاکستانی حجاج کے لیے باقاعدہ ’’ناظم‘‘ مقرر کیے گئے جن کا کام حج کے دنوں میں پاکستانی حجاج کومنیٰ کے کیمپوں سے رمی کروانے کے لیے لےکر جمرات تک جانااور واپس لے کر آنا شامل تھا۔ جو ناظمین مستعد تھے انہوں نے اچھا کام کیا۔ایسے حجاج جوطواف زیارت کے بعد واپسی پر اپنےمنیٰ کیمپ کا پتہ بھول گئے تھےتو ان کی تلاش کے بعد انہیں کیمپ میں واپس بھی لے کر آئے۔

منیٰ میں اکثر پاکستانی مکتب جمرات سے ۳ سے ۵ کلومیٹر تک کے فاصلے پر تھے۔ جس کے لیے حجاج کو حج کے دنوں میں جمرات کو کنکریاں مارنے کے لیے ۶ سے ۱۰ کلومیٹر تک چلنا پڑتا تھا۔ منیٰ کے مکتب میں اس دفعہ اوقات کار مقرر کر دیئے گئے تھے۔ جس مکتب کا جو وقت مقرر ہوتا اس کے مطابق اس کا دروازہ کھلتا تھا اور حجاج مکتب سے نکل کر جمرات کو کنکریاں مارنے جاتے تھے۔ ۹۰ فیصد حجاج ۱۲ ذی الحجہ کو کنکریاں مار کر مکہ اپنی رہائش گاہوں میں چلے گئے۔ کم و بیش ۱۰ فیصد کے قریب حجاج ۱۳ ذی الحجہ تک منیٰ میں رہے اور تیرہویں ذی الحجہ کو بھی جمرات کو کنکریاں مار کر مکہ اپنی رہائش گاہوں پر واپس آئے۔

پاکستان سے لیکر سعودی عرب تک اور پھر سعودی عرب میں حج ادا کرنے کے مختلف مقامات پر حجاج کرام کی سہولت کے لیے انتظامات بہت عمدہ رہے۔ مستزاد یہ کہ حجاج کرام کو کھانے کی سہولت یومیہ تینوں وقت دی گئی۔ کھانا پاکستانی ذائقہ کے مطابق تیار ہوتا رہا۔ کھانے کی مقدار بھی پوری دی جاتی رہی اور اگر کہیں کھانے کے اعتبار سے کوئی شکایت پیدا ہوتی تو اسے فوراً درست کرنے کے احکامات نہ صرف جاری ہوتے بلکہ اس پر عمل درآمد بھی کروایا جاتا۔

بہر حال ایک لاکھ اسی ہزار میں سے تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار حجاج کا مکمل انتظام وزارتِ مذہبی امور کے ذمے تھا۔ جو بہترین طریقہ سے نبھایا گیا۔ اس میں پاکستان حج مشن جدہ، مکہ اور مدینہ کی کاوشیں قابل قدر ہیں۔ خصوصاً ڈی جی حج عبدالواہاب سومرو اور ڈائریکٹر حج مکہ راؤ عارف خصوصاً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ امید کرتے ہیں کہ آئندہ آنے والے سالوں میں بھی حج کے انتظامات اسی طور ہوتے رہیں گے اور پاکستان کے حجاج کرام کو بہترین سہولتیں میسر ہوں گی۔

☆☆☆☆☆

خلاصۃ القرآن

ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی (ستارۂ امتیاز)

وقت چینل پر علامہ ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی ناظم اعلیٰ دارالعلوم جامعہ نعیمیہ نے قرآن پاک کا خلاصہ ''**اسلام نظام حیات**'' کے نام سے پیش کیے جانے والے پروگرام میں بیان کیا ہے۔بعض ضروری ترامیم و اضافہ کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔امید ہے آپ اس کو پسند فرمائیں گے۔اس پروگرام میں میزبانی کے فرائض جناب فاروق احمد الحسینی صاحب نے سرانجام دیئے ہیں۔ آپ اس پروگرام کو Youtube پر بھی ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

سورۃ المطففین

قرآن مجید کی 83ویں سورت جس میں 36 آیات ہیں۔

نام

پہلی ہی آیت **ویل للمطففین** سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول

اس سورت کے اندازِ بیاں اور مضامین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے جب اہل مکہ کے ذہن میں آخرت کا عقیدہ بٹھانے کے لیے پے در پے سورتیں نازل ہورہی تھیں اور اس سورت کا نزول اس زمانے میں ہوا ہے جب اہل مکہ نے سڑکوں پر، بازاروں میں اور مجلسوں میں مسلمانوں پر آوازیں کسنے اور ان کی توہین و تذلیل کرنے کا سلسلہ شروع کردیا تھا،مگر ظلم و ستم اور مار پیٹ کا دور ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔بعض مفسرین نے اس سورت کو مدنی قرار دیا ہے۔اس غلط فہمی کی وجہ دراصل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت

ہے کہ جب نبی کریمﷺ مدینے تشریف لائے تو یہاں کے لوگوں میں کم ناپنے اور تولنے کا مرض بری طرح پھیلا ہوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے **ویل للمطففین** نازل کی اور لوگ بہت اچھی طرح ناپنے تولنے لگے لیکن، جیسا کہ سورہ دہر میں بیان کیا جا چکا ہے، صحابہ اور تابعین کا عام طریقہ یہ تھا کہ ایک آیت جس معاملے پر چسپاں ہوتی ہے اس کے متعلق وہ یوں کہا کرتے تھے کہ یہ فلاں معاملے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جب ہجرت کے بعد نبی کریمﷺ نے مدینہ کے لوگوں میں یہ بری عادت پھیلی ہوئی پائی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپﷺ نے یہ سورت ان کو سنائی اور اس سے ان کے معاملات درست ہو گئے۔

موضوع اور مضامین

اس سورت کا موضوع بھی آخرت ہے۔

پہلی چھ آیتوں میں اُس عام بے ایمانی پر گرفت کی گئی ہے جو کاروباری لوگوں میں بکثرت پھیلی ہوئی تھی کہ دوسروں سے لینا ہوتا تھا تو پورا ناپ کر اور تول کر لیتے تھے، مگر جب دوسروں کو دینا ہوتا تو ناپ تول میں ہر ایک کو کچھ نہ کچھ گھٹا دیتے تھے۔ معاشرے کی بے شمار خرابیوں میں سے اس ایک خرابی کو، جس کی قباحت سے کوئی انکار نہ کر سکتا تھا، بطورِ مثال لے کر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ آخرت سے غفلت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جب تک لوگوں کو یہ احساس نہ ہو کہ ایک روز خدا کے سامنے پیش ہونا ہے اور کوڑی کوڑی کا حساب دینا ہے اس وقت تک یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے معاملات میں کامل راست بازی اختیار کر سکیں۔ کوئی شخص دیانت داری کو "اچھی پالیسی" سمجھ کر بعض چھوٹے چھوٹے معاملات میں دیانت برت بھی لے تو ایسے مواقع پر وہ کبھی دیانت نہیں برت سکتا جہاں بے ایمانی ایک "مفید پالیسی" ثابت ہوتی ہو۔ آدمی کے اندر سچی اور مستقل دیانت داری اگر پیدا ہو سکتی ہے تو صرف خدا کے خوف اور آخرت پر یقین ہی سے ہو سکتی ہے، کیونکہ اس صورت میں دیانت ایک "پالیسی" نہیں بلکہ "فریضہ" قرار پاتی ہے اور آدمی کے اس

پر قائم رہنے یا نہ رہنے کا انحصار دنیا میں اس کے مفید یا غیر مفید ہونے پر نہیں رہتا۔

اِس طرح اخلاق کے ساتھ عقیدہ آخرت کا تعلق نہایت موثر اور دل نشین طریقہ سے واضح کرنے کے بعد آیت 7 سے 17 تک بتایا گیا ہے کہ بدکار لوگوں کے نامہ اعمال پہلے ہی جرائم پیشہ لوگوں کے رجسٹر (black list) میں درج ہو رہے ہیں اور آخرت میں ان کو سخت تباہی سے دوچار ہونا ہے۔ پھر آیت 18 سے 28 تک نیک لوگوں کا بہترین انجام بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے اعمال نامے بلند پایہ لوگوں کے رجسٹر میں درج ہو رہے ہیں جس پر مقرب فرشتے مامور ہیں۔

آخر میں اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے اور اس کے ساتھ کفار کو خبردار بھی کیا گیا ہے کہ آج جو لوگ ایمان لانے والوں کی تذلیل کر رہے ہیں، قیامت کے روز یہی مجرم لوگ اپنی اِس روش کا بہت برا انجام دیکھیں گے اور یہی ایمان لانے والے ان مجرموں کا برا انجام دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے۔

☆☆☆☆☆

تجدید واحیائے دین کے ایک روشن مہتاب

پیر مہر علی شاہ قدس سرہ

تحریر: علامہ غلام رسول سعیدی (پیشکش: علامہ غلام نصیر الدین چشتی)

فخر علم و آگہی، نشان ولایت، نباض تقاضا ہائے عصر، متلاشیان حق کے ملجا، حکمت و معرفت کے سیلاب آفریں، دریا بادہ توحید میں سرمست، عشقِ رسالت میں غرقاب، ناظرین حدیث کے امام اور استاذ، وارفتگانِ شوق کے کعبہ، عابدوں کے رہنما، زاہدوں کے قافلہ سالار، صوفیوں کے پیشوا اور علماء کے لیے افتخار کا نگار سہرا، اقلیم فقر کے تاجدار، جود وسخا کے بحر بیکراں، اللہ کے سامنے فقیر شاکر، اکابرین کا فخر، معاصرین کے رشک، پیشرو حکماء کی آرزو اور آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ، صاحبِ تصانیف کثیرہ، واصل مراتب عظیمہ، حرمت قرآن کے نگہبان، ناموس احادیث کے پاسبان، ابوحنیفہ کی فقہ کو دلائل سے آبدار کرنے والے، عصر حاضر کی گتھیاں سلجھانے والے، ابن عربی کے علوم کو حیات نو بخشنے والے، ابن سینا کے پژمردہ افکار کو رنگ ونکہت عطا کرنے والے، سلمان اور ابوذر کے پرتو، سہیل اور بلال کا آئینہ، غزالی اور رازی کے علوم کے جامع، آلوسی وطنطاوی کی شان، تفسیر اور حدیث کے نکتہ دان، بے مہار عقل اور تقلید جامد میں متوازن راہ کے سالک، شریعت کے سنگم، معرفت اور حقیقت کے مرج البحرین، یہ تھے پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔

جہالت وضلالت کی تاریکیاں نہ جانے کب سے کسی ہدایت دینے والے آفتاب کی منتظر تھیں، نہ جانے کب سے ان گنت ہونٹوں پر دعائیں مچل رہی تھیں۔ کتنی آہیں مضطرب تھیں اور کتنی فریادیں تڑپ رہی تھیں۔ وہ آئے تو زمانے نے ان کو یوں گلے لگایا جیسے کب سے ان کی راہ دیکھ رہا تھا۔ وہ جس میدان میں گئے چھا گئے۔ مکتب میں گئے تو اساتذہ نے اُن کو پڑھانا اپنا فخر سمجھا، طلباء کے جھرمٹ میں ایسے جیسے ستاروں میں چاند، علماء میں آفتاب، آزروں میں ابراہیم، فراعنہ میں موسیٰ، اُن کی نثر میں دلائل کی فراوانی اور نظم میں جذبات کی جولانی، اُن کی شخصیت کا ہر

پہلوایک مکمل کتاب۔

ہندوستان پہلی جنگ آزادی کے خونی دور سے گزر رہا تھا۔سلطنتِ مغلیہ دم توڑ چکی تھی، برصغیرظلم کی چکی میں پِستا ہوامکمل طور پر افرنگ کے پنجہ استبداد میں آچکا تھا، دین اسلام کے اساطین جوزندہ تھے وہ پابندسلاسل تھےاور جوامر ہوچکے تھے وہ اپنی یادوں کے چراغ جلتے چھوڑ گئے تھے۔غلامی کی اس تنگ وتاریک فضا میں حریت کا یہ چراغ یکم رمضان 1275ھ بروز پیر رونق سرائے عالم ہوااوراللہ تعالیٰ کی جوسنت جاریہ ہے کہ وہ بداعمالیوں،گمراہیوں اور بدعات کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں تجدیدواحیائے دین کے لیےایک روشن مہتاب ظہور میں لاتا رہاہے،اسی سنت کے مطابق آپ کاوجودظہور پذیر ہوا۔

بچپن ہی سے آپ کوشہروں سے وحشت اورویرانوں سے الفت تھی،آپ کی اکثر راتیں پہاڑوں، وادیوں اورگھاٹیوں میں گزرتیں۔آپ کو ناظرہ قرآن مجید پڑھنے کے لیے مکتب میں داخل کرایالیکن آپ قرآن کے حافظ بن کر نکلے۔کرم خوردہ اوراق کوبھی آپ مسلسل عبارت کی طرح روانی سے پڑھتے۔پڑھنے لکھنے میں اس قدرمنہمک اورمستغرق ہوتے کہ عشاء سے فجر تک موسم سرما کی سرداورطویل راتیں مسلسل مطالعہ میں گزرجاتیں۔آپ تدریجاً تعلیم کے مراحل طے کرتے رہے۔مولانا سلطان محمود انگوی، مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا احمدعلی محدث سہارنپوری ایسے مشاہیرعصر کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے رہے۔

صوفیاء نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق وحدت کے جلوؤں کودیکھا۔کوئی بحرتوحید میں اس طرح غرقاب اورسرمست ہوا کہ اس عالم رنگ وبو میں اسے الوہیت کے سوا کچھ نظرنہیں آیا۔ پھولوں کی مہک ہو یا ستاروں کی چمک، پانی سے چھلکتے ہوئے آبشار ہوں یا ابلتے ہوئے چشمے، آفتاب کی نورافگن شعاعیں ہوں یا مہتاب کی روپہلی کرنیں،سربہ فلک پہاڑوں کی چوٹیاں ہوں یا لہلہاتی کھیتیاں، برساتی ندیاں ہوں یا نیلگوں سمندر، وہ کہتے ہیں: کچھ نہیں، یہ سب کچھ نہیں، یہ محض اعتبارات ہیں۔ان سب کاوجوداعتباری،انتزاعی اورظلی ہے۔''کل شیء ھالک الا

وجھہ ''مابہ الموجودیت تو وجود حقیقی ہے جو واحد بالشخص اور واجب بذاتہ ہے۔''ھو معکم اینما کنتم وفی انفسکم افلا تبصرون ''بس حقیقت میں وہی ہے،اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ ایک انتزاع اور اعتبار ہے، جیسے فوق اور تحت، یمین اور یسار، قدام اور خلف، سراب نہیں، فریب نظر نہیں، لاادریہ کا واہمہ نہیں۔اس کے باوجود یہ سب نسبتیں ہیں۔حقیقت تو وہ ذات ہے جس کے ساتھ یہ نسبتیں قائم ہیں۔اسی طرح صوفیاء کہتے ہیں: یہ جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے ایک اعتبار ہے، وہی جو وجود واحد ہے،اس کے علاوہ کچھ نہیں اور یہی وحدۃ الوجود ہے، پیر صاحب نے وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود کے درمیان یہ کہہ کر ربط و تعلق پیدا فرمایا ہے کہ وحدۃ الشہود ابتدائے سلوک اور نفس ایمان ہے اور وحدۃ الوجود انتہائے مقام اور کمال ایمان ہے۔اس مرتبے کے لیے نہ تو امت سابقہ مکلّف تھی اور نہ امت محمدیہ مکلّف ہے، یہ اخص الخواص کا مشاہدہ ہے۔ یہ حال ہے قال نہیں، منصور حلاج ہو یا بایزید بسطامی، ابن عربی کی ''فتوحات'' ہو یا فضل حق کی ''الروض المجود '' یہ سب حال ہیں اور نظر قال میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں سے سب سے افضل حضورﷺ کو بنایا، اللہ اللہ! ان کی عظمتوں کا کیا کہنا جن کی مرضی بدلے تو قبلہ بدل جائے، جن کی توجہ ہٹے تو بیت المقدس اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ جن سے اللہ تعالیٰ کہے: مشرق و مغرب میں سے کسی جگہ کے ساتھ ہماری خصوصیت نہیں، تم جس طرف رخ کرلو گے وہی ہمارا قبلہ ہے۔ دل بے لگام ہوتا ہے، اس پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا: جس شخص نے ان کے حکم کے خلاف دل میں بھی ناگواری رکھی اس کا ایمان نہیں رہے گا۔ یہاں بے قابو دل کو قابو میں رکھنا ہوگا۔

پسند وہ ہو جو ان کو پسند ہے، ناپسند وہ ہو جو ان کو ناپسند ہے۔طبیعت ان کی طبیعت میں ڈھل جائے، مزاج ان کے مزاج میں بدل جائے، وہ جنہیں دنیا میں مغفرت کی نوید سناتا ہے ''عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا '' کا مژدہ دیا''ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ '' کی بشارت دی۔ساری مخلوق اسے راضی کرنے کے لیے نماز پڑھتی ہے، ان سے کہا

کہ تم نماز اس لیے پڑھو تا کہ تم راضی رہو''فسبح واطراف النھار لعلک ترضیٰ''ساری مخلوق اسے دیکھتی ہے وہ انہیں دیکھتا ہے:''الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین''ابراہیم نے مانگا:''رب لا تخزنی یوم یبعثون''انہیں بن مانگے فرمایا:یوم لا یخزی اللّٰہ النبی والذین امنو معہ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مانگا:''رب ارنی انظر الیک''انہیں بن مانگے فرمایا:''الم تر الی ربک''حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا:''لا تتبع الھویٰ''اوران کے بارے میں فرمایا:''ما ینطق عن الھو یٰ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں:''رب اشرح لی صدری''رب کہتا ہے:''الم نشرح لک صدرک''جس زمانے میں جب بھی کوئی نبی آیا تو کہتا تھا:تم میرا کلمہ پڑھتے ہو، یاد رکھو جب وہ آجائیں گے پھر میں بھی ان کا کلمہ پڑھوں گا۔تم بھی ان کا کلمہ پڑھنا، میں بھی ان کا منتظر ہوں تم بھی ان کا انتظار کرو،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:''واکتب لنا فی ھذہ الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ'' اے اللہ! ہمارے لیے دنیا اور آخرت میں بھلائی مقدر کردے، اللہ تعالیٰ نے کہا: میں دنیا وآخرت کی بھلائی لکھ دوں گا،مگر ان کے لیے فرمایا:''الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التورۃ والانجیل''دیکھو مانگ حضرت موسیٰ علیہ السلام رہے اور مل رہا ہے مصطفیٰ ﷺ کے پیروکاروں کو، آپ ﷺ کے غلاموں کو۔زمانہ کسی نبی کا ہو،کسی رسول کا ہو،سکہ چلتا تھا تو مصطفیٰ ﷺ کا چلتا تھا۔بول بالا تھا تو میرے نبی ﷺ کا تھا۔جس زمانے میں کچھ لوگ مقام مصطفیٰ ﷺ کو کم کر رہے تھے،آپ ﷺ کے ذکر کو گھٹا رہے تھے۔کوئی آپ ﷺ کے علم کو کم بتاتا تھا۔کوئی آپ ﷺ کی قدرت میں کمی ثابت کرتا۔کوئی معاذ اللہ آپ ﷺ کی حیات کا انکار کرتا۔حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے لوگوں سے معرکہ آراء ہوئے۔ اصحابِ تنقیص کے ہر سوال کا جواب دیا، ہر اعتراض کو اٹھایا، نا آشنا لوگوں پر مقام مصطفیٰ ﷺ واضح کیا اور محبتِ رسول ﷺ سے خالی دلوں میں عشق رسالت کی آگ بھڑکا دی۔

صحابہ کرام رضی اللہ علیہم جن کے سر پر''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم

اھتدیتم ''کا سایہ ہے،ابرو ہیں یا''اللہ اللہ فی اصحابی '' کی کمانیں ہیں۔رخساروں پر ''ماانا علیہ و اصحابی ''کا غازہ ہے۔جن کا سراپا رسول اللہﷺ کا اسوہ جو رضی اللہ عنھم و رضو عنہ کی سند ہیں،بعد کے لوگوں کے لیے''والذین اتبعوھم باحسان '' کی ضمانت ہیں،عشرہ مبشرہ ہیں، خلفاء راشدین ہیں، جو سرکارﷺ کی تربیت کے شاہکار ہیں، نگاہِ نبوتﷺ کے فیض یافتہ اور جامعہ رسالت کے فارغ التحصیل،جن کی محبت میں کمی ہو تو نفاق کا اندیشہ،جن کی تعظیم میں فرق آئے کفر کا فتویٰ۔

پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مرتبے اور مقام کو واضح کیا، اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کو نصِ قرآن سے ثابت کیا۔ایک اثناء عشری عالم نے کہا کہ خلافت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا،آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: **وعداللّٰہ الذین امنو منکم وعملو الصلحت لیستخلفنھم فی الارض** ''لہٰذا اس آیت کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے ایک دو نہیں بلکہ دو سے زیادہ اصحابِ رسول سے زمین میں خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور بعد کے واقعات سے یہی ثابت ہوا، اگر امامیہ حضرت حسن کی شش ماہ خلافت کو بھی شامل کر لیں تب بھی وعدہ الٰہی دو اصحاب رسول تک ہی محدود رہتا ہے، حالانکہ آیت کریمہ میں لفظ''ھم'' کم از کم تین خلفاء کا تقاضا کر رہا ہے، پھر وہ تیسرے خلیفہ برحق ثابت کرنے کے لیے کس کو پیش کریں گے جس کی خلافت زمین پر قائم رہی۔

حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس دور میں پیدا ہوئے اُس زمانے میں اقتدار افرنگ کا آفتاب کہیں غروب نہیں ہوتا تھا۔ برصغیر کے امراء اور والیان ریاست فرنگیوں کی حکومت کا دم بھرتے تھے،علماء، مشائخ اور رؤساء میں کچھ ایسے تھے جو سرکار انگریز کی آنکھوں کا کاجل بنے ہوئے تھے۔ کچھ ایسے تھے جو افرنگ کے پاؤں کی مہندی بنے ہوئے تھے اور کچھ ایسے تھے جو انگریز ریزیڈنٹ(Resident) کی بگھی میں گھوڑوں کی طرح جت جانا اپنے ماتھے کا جھومر سمجھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز کی خوشامد خوش نصیبی کی علامت تھی اور انگریز سے احتراز اور اجتناب یا اس

کا عتاب تباہی اور بربادی کا نشان تھا۔بعض مصلحت کوش اور ابنائے وقت انگریز کے قرب کو مسلمانوں کی معاشی بہبود،خوشحالی اور سیاسی اقتدار کا باعث خیال کرتے تھے۔ابتلاء کے اس دور میں کچھ مردان خدا ایسے تھے جو ہر کٹھن آزمائش سے گزر گئے۔سختیوں کے سارے وار تنہا اپنی جان پر جھیل گئے لیکن اپنے دامن کو انگریز کی خوشامد سے داغ دار ہونے نہیں دیا۔اہلِ جرأت کے اس قافلے میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔1911ء میں جارج پنجم دہلی میں اپنا دربار سجا رہا تھا اور ہر طبقے سے نمائندہ حضرات دربار میں شریک ہو کر جارج پنجم کو سلامی دے رہے تھے، دینی رہنماؤں کی فہرست میں آپ کا نام بھی شامل تھا۔جارج کے دربار میں آپ کو بھیجنے کے لیے ہر طرف سے کوشش کی گئی،متعدد طریقوں سے آپ پر دباؤ ڈالا گیا، آپ علیہ الرحمہ نے ہر چیلنج کو قبول کیا لیکن پیہم اصرار کے باوجود جارج پنجم کے دربار میں حاضری نہیں دی۔

یہ گفتگو ادھوری رہے گی اگر مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ آپ علیہ الرحمۃ کے معرکہ کا ذکر نہ کیا جائے۔غلام احمد قادیانی 1840ء میں پیدا ہوا 1864ء میں مروجہ علوم سے فارغ ہوا، 1882ء میں مبلغ کی حیثیت سے ظاہر ہوا، 1886ء میں الہام کا دعویٰ کیا، 1891ء میں مسیح موعود کا دعویٰ کیا۔1901ء میں پچھلے تمام دعووں کو غلط قرار دے کر ظلی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اس کے بعد بتدریج مستقل اور صاحبِ تشریع نبی کی منازل طے کرتا رہا، بالآخر 1908ء میں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غلام احمد قادیانی کے تمام دعوؤں کا رد کیا۔اس کی تصانیف میں علمی اغلاط، خیانت اور سرقے کی نشاندہی کی۔روبرو گفتگو کی دعوت دی لیکن وہ آپ کے سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی سعی پیہم اور جہد مسلسل سے عبارت ہے۔آپ نے علم و آگہی کے چراغ جلائے۔طریقت اور معرفت کی قندیلیں روشن کیں۔غلامی کی زنجیریں کاٹنے کے لیے قوم کے مردہ تن میں حریت کی روح پھونکی، باطل سے ٹکرائے، بیگانوں کو یگانہ اور پرائیوں

کو اپنایا۔امیروں سے دور رہے،غریبوں کو گلے لگایا۔ بیماروں کی عیادت کی،حاجت مندوں کے کام آئے، کمزوروں اور ناتواں لوگوں کا بوجھ اٹھایا۔مصائب میں شاکر اور فراغت میں فیاض رہے۔کفار کے لیے شمشیر برہنہ اور مسلمانوں کے لیے ریشم کی طرح نرم، حیات مستعار کے 82 سال یوں ہی گزر گئے اور 1356ھ میں ان گنت ارادتمندوں کو سوگوار چھوڑ کر واصل بحق ہو گئے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم، فاضل، عابد وزاہد، فیاض اور جواد، ان کا چہرہ خوف الٰہی سے زرد اور محبت رسول ﷺ سے روشن رہتا تھا۔ان کے فیضان کا جو سلسلہ ان کی زندگی میں قائم ہوا مسلسل بڑھ رہا ہے۔اصول وفروغ اور عقائد واعمال میں امت مسلمہ کو صراط مستقیم پر جو استقامت اور تصلب حاصل ہے، اس میں پیر صاحب کا وافر حصہ ہے۔انہوں نے آیاتِ قرآن کا صحیح محمل بیان کیا۔احادیث رسول کی وضاحت کی، ان کے حلقے میں شریک ہو جو نجانے کتنے افراد دنیائے شریعت وطریقت میں امر ہو گئے۔انہوں نے ذروں کو اٹھایا تو رشک ماہتاب بنا دیا،ننگ انسانیت کو فخر ملائکہ بنا دیا۔

سلام ہو اس رجل عظیم پر جس نے جھلملاتے چراغوں کو سورج کی توانائیاں بخشیں۔ آفرین ہو اس مرد کامل پر جس نے علوم اسلامیہ کو رعنائیاں دیں۔آج سلسلہ چشتیہ میں انہی کے فیض کے دھارے بہہ رہے ہیں۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کی، اللہ عزوجل نے ان کے ذکر کو ایک عالم میں پھیلا دیا۔دلوں میں ان کی محبت وعقیدت کے چراغ روشن کر دیئے۔ جب تک دنیا میں قیل وقال کی محفل سجی رہے، جب تک خانقاہوں میں خرقہ پوشوں کی مجلس جمی رہے، آسمان رحمت سے ان کی قبر پر انوار وتجلیات کی برسات ہوتی رہے گی اور جن وانس کا ایک جہان مہر علی کو سلام کرتا رہے گا۔(مقالاتِ سعیدی، ص615۔621)

☆☆☆☆☆

علماء کی معاشی خودداری عزتِ علم کا استعارہ

(مفتی اعجاز فریدی)

یہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتوں میں جہاں عبادت، دعوت، تعلیم اور اصلاحِ امت شامل ہے، وہاں کسبِ معاش، تجارت اور محنت بھی ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام نے کبھی دین کو دنیا سے جدا نہیں کیا بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کا معاون اور تکمیل کرنے والا قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم سیرتِ نبوی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر علماء کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے وعظ و نصیحت کے ساتھ ساتھ تجارت، زراعت، صنعت اور مختلف معاشی ذرائع کو بھی اختیار فرمایا۔

آج کا دور بے شمار فتنوں، معاشی دباؤ اور بدلتے ہوئے حالات کا دور ہے۔ ایسے وقت میں علماء، مبلغین اور واعظین کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہو چکی ہے کہ وہ دینی خدمات کے ساتھ کسی نہ کسی جائز معاشی ذریعہ، خصوصاً تجارت، سے بھی وابستہ ہوں۔ اس کی وجہ صرف مالی آسودگی نہیں بلکہ دینی وقار، فکری آزادی اور دعوتی اثرات کا تحفظ بھی ہے۔

جب ایک عالمِ دین اپنی ضروریات کے لیے ہر وقت دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے تو بسا اوقات اس کی زبان پر دباؤ آ جاتا ہے۔ وہ بعض حقائق بیان کرنے سے ہچکچانے لگتا ہے، کہیں کسی سرمایہ دار کی ناراضی نہ ہو جائے یا کسی معاون کا تعاون بند نہ ہو جائے۔ لیکن جو عالم تجارت یا حلال معاش کے ذریعے خود کفیل ہو، اس کی زبان میں حق گوئی کی جرات زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ وہ مصلحتوں کے اندھیروں میں نہیں بلکہ حق کے نور میں بات کرتا ہے۔ اس کی خودداری، اس کے علم کی عزت بن جاتی ہے۔

تجارت علماء کے لیے صرف معاشی ضرورت نہیں بلکہ ایک عظیم دعوتی میدان بھی ہے۔ بازار صرف خرید و فروخت کی جگہ نہیں بلکہ اخلاق، دیانت، حسنِ معاملہ اور اسلامی کردار کے اظہار کا مرکز بھی ہے۔ جب ایک عالم دیانت دار تاجر بنتا ہے، جھوٹ، دھوکے اور سودی معاملات سے بچتا

ہے، وعدہ پورا کرتا ہے، نرمی سے پیش آتا ہے، تو وہ خاموشی کے ساتھ لوگوں کو دین کی عملی تصویر دکھا رہا ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ تقریروں سے کم اور کردار سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

دورِ حاضر میں مذہبی طبقے کے سامنے جو سب سے بڑا چیلنج ہے، وہ معاشی کمزوری ہے۔ معاشی کمزوری انسان کی فکری آزادی کو بھی متاثر کرتی ہے۔ اگر علماء تجارت، ہنر، کاروبار یا جدید معاشی میدانوں سے دور رہیں گے تو نئی نسل دین کو صرف محرومی اور تنگ دستی کے ساتھ جوڑنے لگے گی۔ نوجوان یہ سمجھنے لگیں گے کہ دین کا راستہ اختیار کرنے والا شخص دنیاوی اعتبار سے کمزور اور محتاج ہو جاتا ہے، حالانکہ اسلام تو عزت، توازن اور خودداری کا دین ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کی عظمت صرف مسجدوں اور مدرسوں سے قائم نہیں ہوئی بلکہ بازاروں اور تجارت گاہوں سے بھی دنیا اسلام کے نور سے روشناس ہوئی۔ برصغیر، افریقہ، ملائیشیا اور انڈونیشیا جیسے خطوں میں اسلام صرف فوجوں سے نہیں بلکہ دیانت دار مسلمان تاجروں کے حسنِ کردار سے پھیلا۔ ان تاجروں کے اخلاق نے دل جیتے، ان کی سچائی نے قوموں کو متاثر کیا اور ان کی امانت داری نے اسلام کا تعارف کروایا۔

اگر علماء تجارت سے مکمل طور پر کنارہ کش ہو جائیں تو اس کے کئی نقصانات سامنے آتے ہیں۔ پہلا نقصان یہ کہ مذہبی طبقہ مالی اعتبار سے دوسروں پر منحصر ہو جاتا ہے۔ دوسرا نقصان یہ کہ معاشرے میں دین دار طبقے کی معاشی نمائندگی کمزور ہو جاتی ہے۔ تیسرا نقصان یہ کہ نوجوان علماء کے کردار میں عملی توازن نہیں دیکھ پاتے۔ چوتھا نقصان یہ کہ دین اور معیشت کے درمیان ایک غیر فطری فاصلے کا تصور پیدا ہو جاتا ہے، جبکہ اسلام نے عبادت اور تجارت دونوں کو زندگی کا حصہ بنایا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کا معاشرہ معاشی طور پر بہت تیز رفتار ہو چکا ہے۔ مہنگائی، تعلیمی اخراجات، گھریلو ضروریات اور سماجی تقاضے پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر ایک عالم صرف محدود وسائل پر انحصار کرے تو اس کی ذہنی یکسوئی متاثر ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اس

کے پاس کوئی جائز کاروبار یا معاشی ذریعہ ہوتو وہ زیادہ سکون، وقار اور اعتماد کے ساتھ دینی خدمات انجام دے سکتا ہے۔

البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علماء تجارت میں اس قدر مصروف ہو جائیں کہ علم، دعوت اور اصلاح کا کام پسِ پشت چلا جائے۔اصل حسن توازن میں ہے۔عالم کا اصل مقام دین کی خدمت ہے، مگر تجارت اس خدمت کو مضبوط اور باوقار بنانے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔جس طرح پرندہ دو پروں کے بغیر پرواز نہیں کرسکتا، اسی طرح موجودہ دور میں مذہبی طبقہ بھی صرف وعظ یا صرف معیشت کے سہارے مکمل استحکام حاصل نہیں کرسکتا۔علم اور معاش دونوں کا حسین امتزاج ہی ایک باوقار اور مؤثر دینی قیادت پیدا کرتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مدارس اور دینی ادارے بھی طلبہ کو بنیادی معاشی شعور، تجارت کی اخلاقیات، جدید کاروباری اصولوں اور ہنر کی اہمیت سے آگاہ کریں۔تاکہ آنے والا عالم صرف منبر ومحراب کا خطیب ہی نہ ہو بلکہ کردار، خودداری، حکمت اور معاشی بصیرت کا بھی پیکر ہو۔آج امت کو ایسے علماء کی ضرورت ہے جو مسجد میں امامت بھی کریں، محراب میں آنسو بھی بہائیں، منبر سے حق بھی بیان کریں اور بازار میں امانت و دیانت کی مثال بھی قائم کریں۔یہی وہ علماء ہوں گے جو دین کو صرف کتابوں میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں زندہ کر دکھائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆

شرک کا معنی ومفہوم

مفتی محمد رمضان چشتی تونسوی چولانی (فاضل جامعہ نعیمیہ)

فائدہ ثالثہ:

شرع میں شرک 'إثبات الشريک فی الألوهية' کا نام ہے۔

شرح عقائد میں ہے:

الإِشْرَاكُ هُوَ إِثْبَاتُ الشَّرِيكِ فِي الْأُلُوهِيَّةِ بِمَعْنَى وُجُوبِ الوُجُودِ كَمَا لِلْمَجُوسِ، أَوْ بِمَعْنَى اسْتِحْقَاقِ العِبَادَةِ كَمَا لِعُبَّادِ الْأَوْثَانِ.

(شرح العقائد،137-138،باب:اللہ تعالیٰ افعالِ بندگان کا خالق ہے،بتصرف)

''شرع میں شرک کا مطلب ہے 'الوہیت میں شریک کا اثبات'۔شرح عقائد میں ہے: 'شرک وہ ہے جو الوہیت میں شریک کو ثابت کرے، چاہے وہ وجوب الوجود (وجود کا لازمی ہونا) کے معنی میں ہو جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے، یا عبادت کے استحقاق (عبادت کا مستحق ہونا) کے معنی میں ہو جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے۔''

اسی بنیاد پر (یعنی عبادت صرف اللہ کے لیے ماننے کی بنیاد پر) توحید کی ضد کو شرک کہا جاتا ہے۔اور جس چیز کا انکار یا اثبات "کلمہ توحید" (لا الٰہ الا اللہ) سے تعلق نہیں، چاہے وہ غیر اللہ کے لیے ثابت ہو بھی جائے، اسے شرک نہیں سمجھا جاتا۔لہٰذا، جو شخص الوہیت (خدائی) اور اس سے لازم صفات کے علاوہ بھی کسی چیز کو شرک قرار دیتا ہے، وہ درحقیقت شرک کے اصل معنی کو بھول گیا ہے اور کلمہ طیبہ کے مفہوم سے غافل ہے۔ہاں، "شرک" کا لفظ کبھی کبھی عام طور پر کفر، گناہ یا بُرے کاموں پر بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن وہ ہماری موجودہ گفتگو سے باہر ہے۔ہم یہاں "شرک فی الالوہیت" (خدائی میں شریک ٹھہرانا) کی بات کر رہے ہیں، جس کے مخصوص شرعی احکام ہوتے ہیں جیسے مشرک کے ساتھ نکاح یا اس کا ذبیحہ حرام ہونا۔اصل بات یہ ہے کہ اگر کسی فعل یا صفت کی بنیاد پر شرک کا حکم لگایا جائے، تو یہ اسی وقت درست ہوگا جب اس سے "الوہیت کا

عقیدہ" لازم آتا ہو۔ ورنہ شرک کا لفظ استعمال کرنا صرف مجازی یا تشبیہی معنی میں ہوگا، نہ کہ اصل شرعی معنی میں۔

یعنی: جب تک کسی کام یا عقیدے سے صاف طور پر یہ ثابت نہ ہو کہ اس میں غیر اللہ کو معبود مانا گیا ہے، اس پر شرک کا فتویٰ دینا درست نہیں۔

مثلاً کوئی جاہل اولیائے امت کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ ساری زمین کا حال ہر وقت سب کچھ جانتا ہے، اور جو شخص بھی انہیں جس وقت جہاں سے بھی پکارے وہ فوراً سن لیتے ہیں، تو یہ عقیدہ درست نہیں، لیکن اگر اس کے ساتھ ساتھ وہ جاہل شخص ان اولیاء کو علم اور قدرت میں مستقل نہیں جانتا۔ اور یہ سب کا سب خدا کے علم اور قدرت سے سمجھتا ہے، اور نہ ہی اولیاء کو واجب الوجود اور عبادت کا مستحق سمجھتا ہے۔ تو صرف یہ عقیدہ رکھنے سے وہ مشرک نہیں ہوگا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ عوام کو اس عقیدے سے ہر حال میں چاہیے سختی سے یا نرمی سے ضرور روکنا چاہیے، اور اس عقیدے کا بطلان ظاہر کرنا چاہیے بجائے اس کے کہ آپ ان کو مشرک کہنا شروع کر دیں۔ کیا صرف اتنی باتوں سے الوہیت ثابت ہو جاتی ہے؟ اور اس بادشاہِ عالم کی شان اس قدر چھوٹی ہے؟ حیرت کی بات تو یہی ہے کہ بعض لوگوں نے کم فہمی اور بے سمجھی میں خدائی اور الوہیت کو اتنی چھوٹی سی بات سمجھ رکھا ہے کہ ذرا سے کمال سے کسی میں بھی ثابت ہو جاتی ہے، جیسا کہ کسی کیلئے ایک درخت کے پتوں کی تعداد جان لینے کا عقیدہ رکھنا بھی شرک قرار دیا گیا ہے، اب بعض درختوں کے پتے تو ہر شخص گن لیتا ہے اور جن درختوں کے پتے زیادہ ہوتے ہیں ان کا بھی اجمالی علم محض دیکھنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ رہا درخت کے پتوں کا تفصیلی علم تو یہ جان لینا چاہیے کہ کسی بھی درخت کے پتے غیر متناہی نہیں ہو سکتے اور پھر ہر وہ چیز جو متناہی ہو وہ مخلوق کے شمار میں آسکتی ہے۔ بلکہ مثال مذکور یعنی درخت کے پتوں کا علم گویا کے امت کے افراد میں سے کسی کے لیے ثابت نہیں، مگر مجموعی طور پر اہل زمین کو بدیہی طور پر یہ علم حاصل ہو سکتا ہے تو کیا اگر کوئی شخص یہ مجموعی علم یا اس جیسی دیگر امور جان لے یا کوئی شخص کسی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھ لے کہ یہ شخص ان ساری

چیزیں کو جانتا ہے تو کیا یہ شرک ہوگا؟

بعض لوگ اولیاء کرام اور انبیاء عظام کے بارے میں بھی اس طرح کے اعتقاد رکھتے ہیں۔فقیر (یعنی مولانا نقی علی خان کے نزدیک) کے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ لوگ اللہ کی شان کے بارے میں جس طرح اعتقاد رکھنا چاہیے نہیں رکھتے، اور اللہ اور اس کی صفاتِ کمال کو کما حقہ نہیں جانتے ان لوگوں پہ **ما قدروا اللّٰہ حق قدرہٖ** (پ،الحج:) کا مضمون صادق آتا ہے اور ایسے خیالات ہندوؤں کے اوہام سے مطابقت رکھتے ہیں کیونکہ ہندو لوگ جب کسی عجیب چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں یا کسی شخص سے کوئی عجیب کام صادر ہوتا ہوا دیکھتے ہیں، تو اسے عبادت کا مستحق سمجھ لیتے ہیں، اور یہ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ عجیب وغریب کام اللہ سے ہی ہوتے ہیں اور شاید خدائی اور الوہیت انہی افعال اور انہی صفات کا نام ہے۔

بلکہ اگر تمام جہان کا علم اور قدرت کسی ایک شخص میں جمع کر دیں جس کی بدولت وہ زمین وآسمان میں تصرف کر سکے اور تحت الثریٰ سے عرش معلیٰ تک ساری کائنات اور اس کے حالات پر اطلاع بھی دے سکے پھر بھی اس شخص کا علم اور قدرت اللہ کے علم اور قدرت کے برابر نہیں ہوسکتا بلکہ اس شخص کے علم کو اللہ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں ہوسکتی جو ایک قطرے کو دریا سے ہوتی ہے اس لیے کہ اللہ کی ذات قدیم، ازلی، ابدی، مستقل اور ذاتی ہے اور اس شخص کا علم یہ حادث، زمانی، فانی، غیر مستقل اور اللہ کی عطا ہے۔اللہ کی تمام صفات ایک جماعت کے نزدیک عین ذات ہیں یعنی صفات بھی اللہ کی ذات کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ علم اور قدرت اور اس کے علاوہ دیگر صفات کے آثار اور ثمرات کے لیے کسی امرِ زائد کے بغیر بھی کافی ہے، اور یہی صوفیا کا مذہب ہے۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا نظریہ؟

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے جو نظریہ پیش کیا ہے، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کا وجود تمام موجودات سے مختلف اور منفرد ہے، اور ان کی موجودگی کی حقیقت کو سمجھنے میں کوئی تشبیہ یا

مماثلت ممکن نہیں۔مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ نے امام اشعری کے مسلک کو اختیار کیا اور اسے "حکمۃ یمانیہ" کا مصداق قرار دیا، جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی علم وقدرت کا کوئی ہم پلہ نہیں، اور جو علم وقدرت ممکنات (یعنی مخلوقات) میں پایا جاتا ہے، وہ اللہ کے علم وقدرت سے بالکل مختلف ہے۔حاشیہ میر زاہد۔

متکلمین (علماء کلام) یہ کہتے ہیں کہ نہ تو اللہ کا علم مخلوقات کے علم میں شامل ہے اور نہ ان سے جدا ہے، یعنی اللہ کا علم کسی بھی مخلوق کے علم سے نہ ملتا ہے اور نہ ان کی طرح ہوتا ہے۔اگر ممکنات کا علم اللہ کے علم سے کچھ کم یا فرق ہو، تو وہ اللہ کی ذات سے الگ نہیں ہوسکتا۔اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی صفات میں کوئی بھی مخلوق کی صفات کی طرح یا اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔اللہ کی صفات (جیسے علم وقدرت) اور مخلوقات کی صفات میں کسی بھی صورت میں مماثلت یا مساوات ممکن نہیں ہے، حتیٰ کہ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ کی صفات مخلوقات کی صفات کے مشابہ ہوں۔ تاہم، اگر کوئی شخص اللہ کے علم وقدرت کو کسی مخلوق میں دیکھے یا کسی مخلوق کو اللہ کی صفات کے برابر سمجھے، یا اگر وہ کسی کی تعظیم اس حد تک کرے کہ اسے عبادت کے طور پر مان لے، تو وہ اس اعتقاد کی بنا پر یقیناً مشرک اور کافر ہو جائے گا۔

اس بات پر بھی اختلاف نہیں ہے کہ ایسے شخص کا یہ عقیدہ غلط اور گمراہ کن ہے، اور یہ بحث اس موضوع سے متعلق نہیں ہے کہ اس کی غلطی کو مزید کیسے سمجھا جائے، کیونکہ اس پر واضح طور پر کفر وشرک کا حکم لگایا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

مسلم تشخص کے تحفظ کیلئے صدرالافاضل کی جدوجہد

(پروفیسر محمد آصف طاہر)

حضرت صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی کی ولادت 21 صفر المظفر 1300ھ بمطابق یکم جنوری 1883ء کو مرادآباد (یوپی، بھارت) میں ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور 1902ء میں 20 سال کی عمر میں مدرسہ امدادیہ سے دستارفضیلت حاصل کی۔

علوم عقلیہ ونقلیہ مولانا سید گل محمد صاحب جبکہ طب میں حکیم شاہ فضل احمد امروہی سے تلمذ کیا، شاعری میں اپنے والد ماجد استاذ الشعراء مولانا معین الدین نزہت سے فیضیاب ہوئے۔

مولانا سید محمد گل نے اپنے لائق وفائق تلمیذ کو چاروں سلسلوں اور جملہ اوراد ووظائف کی اجازت وخلافت عطا کی۔ شیخ المشائخ سید علی حسین صاحب اشرفی میاں کچھوچھوی نے بھی خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو "خسرو بارگاہ اشرفی" کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے بھی آپ کو خلافت واجازت عطا فرمائی اور "صدرالافاضل" کا لقب عطا کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے ہفت روزہ اخبارات البلاغ اور الہلال میں زوردار مضامین لکھے۔ 1320ھ میں الکلمۃ العلیاء کے نام سے کتاب لکھی جو علمی اور نظریاتی دنیا میں بڑی مشہور ہوئی۔

تحریک خلافت وترک موالات میں مسلمانوں کی رہنمائی

تحریک خلافت (1919ء – 1923ء) کے دوران مسلمانوں اور ہندوؤں نے ترکی کی خلافت عثمانیہ کی بحالی اور حجاز مقدس کے تحفظ لئے مشترکہ جدوجہد کا آغاز کیا تو ہندو مسلم تعلقات اس حد تک پہنچ گئے کہ ہندو مقتدا اور مسلمان لیڈر مقتدی بن گئے، ہندوؤں کی خوشنودی کیلئے شعائر اسلام کا بھی پاس نہ کیا گیا ایسے حالات میں صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی نے مسلمانوں کی فکری رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ

"سلطنت اسلامیہ کی تباہی اور بربادی اور مقامات مقدسہ کا ہاتھوں سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنے اور اپنے خاندان کی تباہی اور بربادی سے زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو، کم ہے۔ سلطنت اسلامیہ کی اعانت اور خادم الحرمین کی نصرت و مدد مسلمانوں پر فرض ہے لیکن یہ کسی صورت جائز نہیں کہ ہندوؤں کو مقتدا بنالیا جائے اور دین وایمان کو خیر آباد کہہ دیا جائے۔ اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندوان کیساتھ متفق ہوکر "بجا ہے، درست ہے" پکارتے، مسلمان آگے ہوتے اور ہندوان کے ساتھ ہوکر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں، کہیں ہندوؤں کی خاطر قربانی اور گائے کے ذبیحہ کے ترک کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں، کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا نشان نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں کے سامنے پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے، کروڑوں سلطنتیں ہوں تو دین خدا پر فدا کی جائیں، مگر دین کو کسی سلطنت پر برباد نہیں کیا جاسکتا"۔

سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت اور مسلمانانِ ہند کیلئے لائحہ عمل

صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی ہندوستانی مسلمانوں کیلئے سلطنت اسلامیہ کے حوالے واضح لائحہ عمل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "سلطنت اسلامیہ کی اعانت اور مقامات مقدسہ کی حمایت وحفاظت لئے ہرطرح کی تدبیر عمل میں لائیں، لیکن اپنے مذہب کو محفوظ رکھیں۔ اپنے آپ کو ہندوؤں کے ہاتھوں میں نہ ڈالیں، اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، اپنی عقل وحواس کو معطل نہ کریں۔ نہایت فرازنگی کے ساتھ اپنے نیک و بد، اپنے انجام و مال پر نظر ڈالیں، بیشک سلطنت اسلامیہ کی مدد کرنا فرض ہے لیکن مسلمانوں کی عزت، حرمت اور زندگی کو بے فائدہ خطرے میں ڈالنا بھی جائز نہیں"۔

علامہ مولانا سید محمود رضوی اس حوالے سے رقمطراز ہیں کہ "لیڈران تحریکِ خلافت کے ترک موالات، ممانعتِ ذبیحہ گاؤ، ہندوستان سے ہجرت جیسے اقدامات مسلمانان ہند کیلئے

سیاسی واقتصادی لحاظ سے سخت نقصان دہ ثابت ہوئے، حالات حق گوئی کیلئے ساز گار نہ تھے، ہندو اپنی عیاری کیساتھ ہندوستان میں خالص ہندوراج کی راہ ہموار کر رہے تھے اور مسلمان لیڈران کی خوشنودی اور بھائی چارہ کے نشہ میں مخمور ہو کر بے راہ روی کے دریا میں غوطے لگا رہے تھے، اس پُر آشوب دور میں بریلی سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی جبکہ مرادآباد سے صدرالافاضل مرادآبادی نے پرچم صداقت بلند کیا"

جماعت رضائے مصطفیٰ کا قیام

شدھی تحریک بارے سردار محمد اکرم بٹر لکھتے ہیں کہ 1344"ھ/1925ء میں جب شدھی تحریک چلی تو اسکی مدافعت کیلئے صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے عظیم کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ بریلی میں جماعت رضائے مصطفیٰ قائم کی گئی جس کے تحت اس فتنہ ارتداد کا مقابلہ کیا گیا۔ صدرالافاضل نے آگرہ میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور یہاں سے متھرا، بھرت پور اور اجمیر کے طوفانی دورے کئے، ہزاروں مرتد دوبارہ داخل اسلام ہوئے اور بالآخر آپ کی تبلیغی کوششوں سے شدھی کا فتنہ اپنی موت آپ مر گیا"

علامہ سید محمود رضوی شدھی تحریک بارے صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 1341"ھ بمطابق 1923ء کے آغاز میں جب ہندوؤں نے سوامی شردھانند کی مدد سے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی سکیم بنائی تو صدرالافاضل مرادآبادی نے السواد الاعظم مرادآباد کے ہر شمارے میں شردھانند کے قرآن اور اسلام پر اعتراضات کے جواب دیئے اور اپنی تقریر اور تحریر کے ساتھ شدھی تحریک کا مقابلہ کیا اور صدر الافاضل کی نگرانی میں بننے والی جماعت رضائے مصطفیٰ کے علماء کی تبلیغ سے ساڑھے چار لاکھ مرتد مسلمان ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ ہندو مسلمان ہوئے"

آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد

شدھی تحریک کے بعد صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی نے مسلمانوں کے

ضمیروں کو جھنجوڑا اور ان کو باور کرایا کہ اب بھی تم منظّم نہ ہوئے اور ہوش میں نہ آئے تو ہندو تمہارے ساتھ بہت بھیانک کھیل کھیلیں گے،اس کیلئے تیار ہو جاؤ۔اس کیلئے صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی نے پورے ہندوستان سے اکابرین اہلسنت کو1344ھ/1925ء جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں جمع فرمایا اورغور وخوض کی دعوت دی۔ چار دن تک غور وخوض کی مجلس چلی اور بالاخر تمام علماء ومشائخ کی متفقہ آراء سے ایک سنی سپریم کونسل بنام **"آل انڈیا سنی کانفرنس یعنی الجمعیة العالیه المر کزیه"** کی بنیادرکھی گئی۔

اکابرین اہل سنت نے متفقہ طور صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کوآل انڈیا سنی کانفرنس کا ناظم اعلیٰ اور امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کوصدر نامزد کیا۔اس اجلاس کی صدارت مولانا شاہ حامدرضاخان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔صدرالافاضل سیدنعیم الدین مرادآبادی نے ہندوستان کےکونے کونے میں اجلاس اور کانفرنسز منعقد کیں اورسنی مسلمانوں کومتحد کیا۔

سنی کانفرنس کے احیاء بارے صدرالافاضل سیدنعیم الدین مرادآبادی خودواضح کرتے ہوئےفرماتے ہیں کہ

"عرصہ تک میں خاموش بیٹھا رہا،کئی سال ہوئے جب ایک جلسہ کے اجتماع میں کچھ صاحبوں نے اہل سنت کےنظم کی استدعا کی، میں نےعرض کیا کہ آپ اس کام کوانجام دیجئے،اس کی سربراہی فرمایئے، میرے لئے جوآپ ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت تجویز کریں، میں حاضر ہوں، لیکن انہوں نے کوئی عملی اقدام نہیں کیا۔ فتنے روز بروز زیادہ ہوتے گئے اوراہل سنت کا انتشار بڑھتا گیا،اغیار کی چیرہ دستیوں سے اہل سنت کا وجود ہی خطرہ میں نظر آنے لگا تو اس پیرانہ سالی وضعیفی اور گوناگوں امراض کے باوجود میں تمام ہندوستان کےاہل سنت کومنظّم ومرتب کرنے کیلئے پھرسنی کانفرنس کااحیاءکیا"۔

الجمعیۃ العالیہ المرکزیہ(آل انڈیاسنی کانفرنس) کےاغراض ومقاصد

1۔ ہندوستان کے سنی مسلمانوں کی کثیر تعداد کے انتشار کو دور کر کے ان کی تنظیم جدید کی جائے اور انفرادی طور پر مذہبی کام کرنے والوں میں ایک ربط پیدا کر کے متحدہ قوت بنایا جائے۔

2۔ ہندوستان کے ہر شہر قصبات اور دیہات میں اسلامی انجمن قائم کرنا اور موجودہ انجمنوں کو جمعیۃ عالیہ میں مدغم کر کے مربوط کرنا۔تبلیغی کام کیلئے خاص مدارس کھولنا۔

3۔ مذہبی تعلیم عام کرنے کیلئے مسلمانوں کے ہر طبقے کو مذہب سے باخبر رکھا جائے۔

4۔ انگریزی خواں طلبہ کیلئے مذہبی تعلیم کیلئے خاص اہتمام کیا جائے۔

5۔ مزدوروں اور پیشہ وروں کی تعلیم کیلئے مدارس شبینہ جاری کیا جائے۔

6۔ مسلمانوں کو تجارت کی طرف مائل کرنا اور ان کی معاشرت میں اصلاح کرنا۔

7۔ مسلمانوں کو قرض کی عادت چھڑانا اور ایسی تدابیر کرنا کہ مسلمان اپنی ضرورتیں خود پوری کریں اور غیر اقوام کے سامنے قرض کیلئے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے محفوظ رہیں۔

8۔ بے کار مسلمانوں کیلئے ذریعہ معاش تجویز کرنا اور انہیں کام پر لگانا۔

دوقومی نظریہ کی حمایت اور تقسیم ہند کا تصور

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کہتے ہیں کہ برصغیر کی آبادی میں "دوقومی نظریہ کا فروغ، آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کا انعقاد اور مراد آباد میں "جامعہ نعیمیہ" کی بنیاد آپکی کوششوں کا ثمرہ ہے"

علامہ غلام رسول سعیدی **"صدرالافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی"** کے عنوان سے تحریر کردہ مقالہ میں لکھتے ہیں کہ "صدرالافاضل نے اپنی فراست اور دوررس نگاہ سے 1920ء کے اواخر میں دوقومی نظریہ پیش کیا۔اس کی اہمیت وافادیت کو ٹھیک دس سال بعد ڈاکٹر اقبال نے محسوس کیا اور 1930ء کے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس (الٰہ آباد) میں ڈاکٹر اقبال نے اپنے صدارتی خطبہ میں اس حقیقت کا برملا اظہار کیا اور اس کے آٹھ سال بعد 1938ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لیا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدرالافاضل نے قائداعظم محمد علی جناح سے 18 سال پہلے دوقومی نظریہ پیش کیا اور 1931ء میں سب سے پہلے صدرالافاضل

نے تقسیم ہند کا تصور پیش کیا"۔

علامہ محمد اقبال کے خطبہ الہ آباد کی تائید

الہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اکیسویں سالانہ اجلاس میں سیاسی پلیٹ فارم سے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی۔صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی طبقہ علماء میں سے پہلی شخصیت تھے جنہوں نے شعبان المعظم 1349ھ بمطابق جنوری 1931ء میں "السواد الاعظم" میں اس تجویز کی بھرپور تائید کی اور لکھا کہ "ڈاکٹر اقبال کی رائے ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے،ایک ہندوؤں جبکہ دوسرا مسلمانوں کا، ہندوؤں کو اس پر کس قدر غیظ آیا، یہ ہندو اخبارات دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔ جب ہندو اپنی حفاظت اس میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی حدود علیحدہ کرلیں تو مسلمانوں کو بھی احتیاط کرنی چاہے ان کے ساتھ کاروبار کرنے سے اور دونوں اپنی حدود جداگانہ اور سیاسی مباحث کو طے کرلیں یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جدا جدا بنالیں تاکہ باہمی تصادم کا خطرہ اور اندیشہ باقی نہ رہے، ہر علاقے میں اسی علاقے والے کی حکومت ہو،مسلم علاقہ میں مسلمانوں کی اور ہندو علاقہ میں ہندوؤں کی"۔

باعزت اور مساویانہ شراکت داری

1938ء میں قائد اعظم محمد علی جناح کی کانگریس سے ایک میٹنگ ہوئی، قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ مسلم لیگ کی نمائندگی کر رہے تھے۔دوران گفتگو پنڈت جواہر لعل نہرو نے کسی بات کے جواب میں کہا ''ہمیں مسلمانوں کی برابری کی ضرورت نہیں، انہیں ہم اپنے ماتحت رکھیں گے''،جس پر قائد اعظمؒ نے جواب دیا کہ "ہم باعزت مساویانہ شرکت کر سکتے ہیں، ذلیل و ماتحت ہو کر نہیں" اس پر پنڈت جواہر لعل نہرو نے بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا اور قائد اعظمؒ اٹھ کر چلے گئے، کانگرس کے اس رویہ پر صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

"دیکھومیں نہ کہتا تھا کہ ہندوؤں پر بھروسہ کرنا کسی وقت بھی صحیح نہ تھا: **لایالونکم خبالا ودوماعنتم قد بدت البغضائمن افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر. الایہ**۔فرمانِ حق،حق نکلا، کفار سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی توقع رکھنا سخت نادانی اور ناعاقبت اندیشی ہے"۔

قراردادلاہور کی حمایت

1940ء میں لاہور کے منٹو پارک میں مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس قائداعظم محمد علی جناحؒ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں پورے ہندوستان سے مسلمان جمع ہوئے اور یک زبان ہوکر قراردادِ پاکستان پاس کی اور آل انڈیا سنی کانفرنس کی نمائندگی صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے عزیز شاگرد مولانا سید ابوالحسنات محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اس اجلاس میں بہت پرجوش کردار ادا کررہے تھے نے کی، جب یہ قرارداد منظور ہوئی تو علماء اہلسنت نے مسلم لیگ کے اس مطالبے کی مکمل حمایت کا اعلان کیا اور صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے کونے کونے میں علماء اہلسنت کی ہمراہ نظریہ پاکستان کی اہمیت واضح کی۔صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مِدراس، گجرات، کاٹھیاواڑ، دہلی، جوناگڑھ، راجپوتانہ، یوپی، پنجاب، بہار، بنگال، کلکتہ، چوبیس پرگنہ، ڈھاکہ، کرنافلی،سلہٹ اور چاٹگام کے مسلسل دورے کئے اور قیام پاکستان کیلئے فضا ہموار کی۔

قیام پاکستان کا عزم صمیم

سید نعیم الدین مرادآبادی کی پاکستان سے وارفتگی اور والہانہ محبت وعقیدت کا اندازہ ان کے عزیز شاگرد مولانا ابوالحسنات سید محمد قادری (صدر پنجاب آل انڈیا سنی کانفرنس) کے نام ایک سنی کانفرنس کے اجلاس کی تیاریوں کے حوالے سے لکھے گئے مکتوب سے عیاں ہوتی ہے، مکتوب میں صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں کہ "پاکستان" کی تجویز سے "جمہوریت اسلامیہ" کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں،خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ

رہیں"۔

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس 1946ء

27-28-29-30 اپریل 1946ء کو چار روزہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں منعقد ہوئی تو سید نعیم الدین مرادآبادی اس کانفرنس کے ناظم اعلیٰ تھے جبکہ آل انڈیا سنی کانفرنس کی صدارت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ (1841ء–1951ء) فرما رہے تھے۔ اجلاس میں مسلمانوں کو قیام پاکستان کی غرض و غایت سے آگاہ کیا گیا، خطبہ استقبالیہ محدث اعظم کچھوچھوی نے پڑھا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس میں صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی نے لندن سے آئے وزارتی مشن (لارڈ پیتھک لارنس، سر سٹیفورڈ کرپس، اے۔ وی الیگزینڈر) کو بھی مدعو کیا، لیکن عین موقع پر مصروفیت کا بہانہ بنا کر شرکت سے معذرت کر لی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس میں 5 ہزار علماء و مشائخ اور 2 لاکھ سے زائد حاضرین تھے۔ تمام اہل بصیرت کا اتفاق ہے کہ علماء و مشائخ کا اتنا عظیم اجتماع پاک و ہند میں چشم فلک نے نہ دیکھا تھا۔

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس 1946ء کی تاریخی قراردادیں

آل انڈیا سنی کانفرنس میں سید نعیم الدین مرادآبادی کی یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور ہوئی:

" آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماؑ و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو"

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے اس اجلاس سے تحریک پاکستان کو بے پناہ تقویت و مقبولیت حاصل ہوئی بلاشبہ یہ اجلاس قیام پاکستان کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

سنی کانفرنس کی مقبولیت

اجلاس بنارس بارے مولانا عبدالحامد بدایونی لکھتے ہیں کہ "میں نے اپنی چالیس سالہ

زندگی میں صدہا کانفرنسیں دیکھیں، بیسیوں خود منعقد کیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ بنارس کی سنی کانفرنس کی طرح گذشتہ چالیس سالوں میں ایک کانفرنس بھی منعقد نہ ہوسکی، ہندوستان کے ہر صوبہ کے علماء ومشائخ جس کثیر تعداد کیساتھ بنارس تشریف لائے کسی اور مقام وشہر میں اس نوعیت کا کوئی اجلاس نہیں ہوا"

مولانا عبدالحکیم شرف قادری، جہان رضا میں لکھتے ہیں کہ

"صدرالا فاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کی مساعی کی ہمہ گیری اور سنی کانفرنس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے ممبران کی تعداد ایک کروڑ سے متجاوز ہو گئی"۔

صدرالافاضل کی پاکستان آمد

1948 میں صدرالا فاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ بہ معیت محدث اعظم ہند ابوالمحامد سید محمد صاحب کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ (صدر آل انڈیا سنی کانفرنس) تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی (نائب ناظم آل انڈیا سنی کانفرنس) حکیم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی (منصرم آل انڈیا سنی کانفرنس) دہلی سے بذریعہ ہوائی جہاز لاہور تشریف لائے۔ یہاں مقامی علماء اور زعماء سے اسلامی دستور کے سلسلے میں تبادلہ خیال کیا۔اس کے بعد کراچی تشریف لے گئے وہاں مقامی علماء اور مرکزی وزراء سے اسلامی دستور بارے متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ بالآخر طے یہ پایا کہ پاکستان کیلئے اسلامی دستور کا خاکہ صدرالا فاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اسلامی اصول اور ضوابط کے تحت مرتب فرمائیں گے، ہم اس کو پاکستان کی قومی اسمبلی سے منظور کرائیں گے۔ چنانچہ سید نعیم الدین مرادآبادی نے اس کا وعدہ فرمایا کہ میں مرادآباد واپس جا کر پاکستان کیلئے "اسلامی دستور" مرتب کر کے بھیج دوں گا۔آپ کراچی میں قیام کے دوران ہی سخت علیل ہو گئے، چنانچہ مختصر قیام کے بعد لاہور سے ہوتے ہوئے مرادآباد تشریف لے گئے۔ مرادآباد پہنچنے کے بعد علالت کے باوجود پاکستان کے علماء اور زعماء سے کئے ہوئے وعدے کو ایفاء کرنے کا عزم صمیم فرمایا اور

پاکستان کیلئے "دستور اسلامی" کی ابھی چند دفعات ہی مرتب فرما سکے تھے کہ پیام اجل آ گیا۔

اگر صدر الا فاضل سید نعیم الدین مراد آبادی کو قدرت مہلت عطا کرتی تو یقیناً یہ مملکت خداداد پاکستان کو سرزمین بے آئین کے طعنے نہ سننے پڑتے اور نہ اس میں کیمونزم، سوشلزم اور سیکولرزم کے نظاموں میں الجھانے کی کوشش کی جاتی اور یہ بحث بھی ہمیشہ کیلئے دفن ہو جاتی کہ قائد اعظم محمد علی جناح کونسا پاکستان چاہتے تھے، مملکت خداداد پاکستان میں پھر مکمل اسلامی نظام رائج ہوتا جس کا خواب صدر الا فاضل سید نعیم الدین مراد آبادی نے آنکھوں میں سجا کے مطالبہ پاکستان کی حمایت کی۔

مفتی غلام معین الدین نعیمی حیات صدر الا فاضل میں "تاجدار اہل سنت کی سیاسی بصیرت" کے عنوان سے اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ "آج دنیا میں نہ مبصرین سیاست ہیں، نہ مفکرین حکومت۔ ہر ایک اپنی کرسی کا خواہشمند ہے۔ ان کی بلا سے قوم ڈوبے یا ترے، ملک رہے یا نہ رہے، نظام بگڑے یا سنورے، اللہ ان خود غرضوں کی اصلاح فرمائے جو خود غرضی کے بہاؤ میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ میرے مخدوم صدر الا فاضل رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی ایک کوہ گراں تھی کہ ان کی اوٹ میں ہزاروں کارواں کوہ گراں بن گئے۔ وہ حکمت عملی سے گمراہوں کو راہ راست پر لائے، غیروں اور دشمنوں کو اپنا بنایا۔ آہ! وہ آج ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں، مگر ان کے فیض روحانی سے ہم آج بھی مایوس نہیں۔

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی حسِ مزاح

(ڈاکٹر کلیم اختر قیصرانی)

عربی زبان کی ایک مشہور کہاوت ہے:

"اَلْمِزَاحُ فِی الْکَلَامِ کَالْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ "یعنی کلام میں مزاح کی وہی حیثیت ہے جو کھانے میں نمک کی۔ نمک نہ ہو تو بہترین کھانا بھی پھیکا محسوس ہوتا ہے اور اگر حد سے بڑھ جائے تو کھانا ناقابلِ تناول ہو جاتا ہے۔ یہی حال مزاح کا ہے۔ زندگی اور گفتگو میں اس کی موجودگی دلوں کو تازگی بخشتی ہے، بشرطیکہ اس میں شائستگی اور اعتدال باقی رہے۔

رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اس باب میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ مسکراتے بھی تھے، خوش طبعی بھی فرماتے تھے، لیکن آپ ﷺ کا مزاح کبھی جھوٹ، تمسخر یا دل آزاری پر مبنی نہ ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کے تبسم میں محبت تھی، شگفتگی تھی اور دل جوئی تھی۔ افسوس کہ آج ہم نے دینداری کو بعض اوقات ایسی سنجیدگی سے وابستہ کر لیا ہے جس میں مسکراہٹ گویا خلافِ شریعت محسوس ہونے لگتی ہے۔ بعض حضرات کے چہرے دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے وہ قیامت کے انتظامی امور میں براہِ راست شریک ہوں اور مسکرانے سے کائناتی نظم میں خلل واقع ہو جائے گا۔ ایسے ماحول میں اگر کوئی عالمِ دین علم، عمل، تقویٰ، جرأتِ اظہار اور خوش مزاجی کا حسین امتزاج ہو تو وہ فوراً توجہ کھینچ لیتا ہے، شہیدِ پاکستان ڈاکٹر سرفراز نعیمی ایسی ہی شخصیت تھے۔

ان کے علمی مقام، دینی خدمات اور جرأتِ حق گوئی پر اہلِ علم بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ میں چونکہ نہ عالم ہوں، نہ محقق، اس لیے ان میدانوں میں خامہ فرسائی کو اپنی جسارت سمجھتا ہوں۔ البتہ ان کی شگفتہ مزاجی اور حسِ مزاح کا میں خود عینی شاہد ہوں، اس لیے اسی حوالے سے چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

سن 2001ء میں، مَیں پہلی مرتبہ لاہور آیا تو چند ممتاز علماء کو سننے کا شوق پیدا ہوا۔ ان میں ایک نام ڈاکٹر سرفراز نعیمی کا بھی تھا۔ لکشمی چوک میں قیام تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ جامعہ نعیمیہ، گڑھی

شاہو میں خطبۂ جمعہ دیتے ہیں۔ میں فوراً پہنچ گیا۔ اس وقت تک میں نے انہیں دیکھا نہیں تھا، صرف نام سن رکھا تھا۔ چنانچہ ذہن نے اپنی مدد آپ کے تحت ان کا ایک سراپا تخلیق کر لیا تھا: بڑا سا عمامہ، لمبا چوڑا جبہ اور ایک ایسا شکمِ شریف جس کی موجودگی میں قمیص کے بٹن کو جگہ میسر نہ آئے۔

جامعہ پہنچا تو ایک سادہ سا آدمی جناح کیپ پہنے خطاب کر رہا تھا اور دورانِ تقریر جنرل پرویز مشرف کو خوب آڑے ہاتھوں لے رہا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ مقرر یقیناً ڈاکٹر صاحب کے آنے سے پہلے وارم اپ کر رہا ہے۔ لیکن جب کافی دیر گزر گئی اور ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری کے آثار دکھائی نہ دیے اور ادھر ان کے دریائے خطابت میں طغیانی آتی چلی گئی تو میں نے ساتھ بیٹھے ایک طالب علم سے پوچھ لیا:

''بھائی، ڈاکٹر سرفراز نعیمی کب آئیں گے؟''

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا اور بولا:

"جناب! یہی تو ڈاکٹر سرفراز نعیمی صاحب ہیں۔"

اس لمحے میری ذہنی تصویر اور حقیقت کا تصادم ایسا ہوا کہ مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ علماء بھی عام انسانوں جیسے دکھائی دے سکتے ہیں۔

بعد میں جامعہ نعیمیہ کے شعبہ علومِ عصریہ میں تدریس کا موقع ملا تو ڈاکٹر صاحب کو قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی مجلس میں بیٹھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ علم اور خوش مزاجی ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ بہترین رفیق ہیں۔

ایک مرتبہ لاہور کے ایک مقامی اور ماشاء اللہ بھرپور جسامت رکھنے والے مولانا صاحب کسی پروگرام کی دعوت دینے آئے۔ انہوں نے اپنے تھیلے سے ایک اشتہار نکالا اور میز پر پھیلا دیا۔ اشتہار اتنا بڑا تھا کہ میز کی حدود سے بھی تجاوز کر گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے اشتہار پر نظر ڈالی اور فرمایا:

"مولانا! اشتہار بھی آپ نے اپنے ہی سائز کا چھپوایا ہے۔"

اس لطیفے کی خوبی یہ تھی کہ مولانا صاحب خود سب سے زیادہ ہنسے۔

امتحانات کے دنوں میں ایک مرتبہ ہم نے مختلف جماعتوں کے طلبہ کو نسبتاً قریب قریب بٹھایا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب گزرے تو فرمانے لگے:

"کاکالوگ! اتنا قریب قریب کیوں بٹھایا ہے؟"

میں نے وضاحت شروع کی کہ سر، یہ نویں کا طالب علم ہے، اس کے بعد دسویں، پھر گیارہویں اور بارہویں جماعت کا۔

میری پوری تقریر سننے کے بعد بولے:

"کاکالوگ! پھر بھی وقفہ تو بہت ضروری ہوتا ہے۔"

اور یہ کہہ کر خود بھی ہنس دیے۔

ڈاکٹر صاحب کی خوش مزاجی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ دوسروں کے مزاح سے بھی لطف اندوز ہوتے تھے۔ اپنی صاحبزادی کے نکاح کی تقریب میں اساتذہ کو ایک ویگن میں سوار کرا رہے تھے۔ سب کے بیٹھ جانے کے بعد خود کنڈیکٹر والی نشست پر جا بیٹھے۔

میں نے از راہِ تفنن عرض کی:

''ڈاکٹر صاحب! اگر آپ کا ارادہ کرایہ لینے کا ہے تو ہم نے کرایہ بالکل نہیں دینا۔''

فوراً بولے:

''پھر میں نے اترنے بھی نہیں دینا۔''

یہ برجستگی ان کے مزاج کا مستقل حصہ تھی۔

اسی طرح ایک تنظیم نے جامعہ میں بغیر اطلاع اجلاس منعقد کرنے کو گویا اپنا آئینی حق سمجھ رکھا تھا۔ اس کے اراکین آتے، پنکھے اور لائٹیں جلاتے اور کسی ہال میں اجلاس شروع کر دیتے۔ ایک دن ڈاکٹر صاحب کا وہاں سے گزر ہوا تو اجلاس حسبِ معمول زور وشور سے جاری تھا۔

وہ رکے اور نہایت سنجیدگی سے بولے:

''آپ اجلاس ضرور کیا کریں، لیکن مجھے ذرا پہلے اطلاع بھی دے دیا کریں تاکہ میں چائے پانی کا انتظام تو کر سکوں۔ اور ہاں، اجلاس ختم ہونے کے بعد یہ بھی بتا دیا کریں کہ فیصلہ کیا ہوا، تاکہ مجھے بھی علم ہو کہ یہاں جامعہ میں کیا طے پایا ہے۔''

شکایت بھی ہوگئی، مزاح بھی قائم رہا اور کسی کی دل آزاری بھی نہ ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب کی برجستگی کا ایک نمونہ مجھے ایک صبح ان کے دفتر کے باہر دیکھنے کو ملا۔ ان دنوں عالمی سطح پر توہینِ قرآن کا ایک نہایت افسوسناک واقعہ موضوعِ بحث تھا اور ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق اس پر تبصرہ فرما رہا تھا۔ ہم چند لوگ بھی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کھڑے اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔

باتوں باتوں میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

''اس معاملے پر فلاں دانشور نے بہت عمدہ موقف اختیار کیا ہے۔''

ہم نے پوچھا: ''کون صاحب؟''

اب مسئلہ یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب کو نام یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ نام کے قریب قریب پہنچتے، پھر واپس آ جاتے۔ کبھی ایک لفظ بولتے، کبھی دوسرا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے حافظے کے دروازے تک پہنچ گئے ہوں مگر کنڈی اندر سے لگی ہو۔

اتفاق سے جس نام کی تلاش تھی وہ ایک معروف مناظر اور خطیب کے نام سے کسی حد تک مشابہ تھا۔ میں نے فوراً ایک مشہور مولانا کا نام لے کر عرض کیا: ''سر جی! کیا آپ فلاں مولانا کی بات کر رہے ہیں؟''

ڈاکٹر صاحب نے میری طرف دیکھا، مسکرائے اور فرمایا: ''کاکا لوگ! ان کا دانشوری سے کیا لینا دینا!''

جملہ اتنا اچانک تھا کہ ہم بے اختیار ہنس پڑے۔ چند لمحوں بعد انہیں اصل کالم نگار کا نام بھی یاد آ گیا اور انہوں نے بتا دیا کہ ان کی مراد وہ صاحب تھے۔ مجھے وہ نام آج بھی یاد ہے، لیکن

اسے ظاہر کرنے میں دو قباحتیں ہیں۔پہلی یہ کہ کالم کا موضوع ڈاکٹر صاحب ہیں، وہ دانشور نہیں۔ اور دوسری جو زیادہ اہم ہے، یہ کہ اگر میں اصل نام لکھ دوں تو اس مولانا صاحب کے چاہنے والوں کو پہلی مرتبہ یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ان کے محبوب خطیب کو دانشور سمجھنے میں کہیں ان سے کوئی اجتہادی لغزش تو نہیں ہو گئی تھی؟

ایک اور موقع پر پروفیسر عبدالستار شاکر صاحب کسی علاقے کے لوگوں کی جہالت اور بدسلیقگی کے واقعات سنا رہے تھے۔ واقعات ایسے تھے کہ سننے والا یہ گمان کرنے لگتا تھا کہ شاید وہاں علم،تہذیب اور شائستگی کے داخلے پر سرکاری پابندی عائد ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے پوری توجہ سے سنا اور فرمایا:''پھر تو اس علاقے کو کسی بڑے ولی اللہ کی ضرورت ہے۔''

شاکر صاحب نے فوراً تائید کی:''جی بالکل، بہت ضرورت ہے۔''

ڈاکٹر صاحب نے پوچھا:''آپ وہاں کتنا عرصہ رہے؟''انہوں نے مدت بتائی۔

ڈاکٹر صاحب نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا:

"اتنا عرصہ رہنے کے باوجود آپ پر کسی نے ولی اللہ ہونے کی بدگمانی نہیں کی؟"

کمرے میں قہقہہ بلند ہوا اور محفل کشت زعفران بن گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی کا مزاح محض ہنسانے کے لیے نہیں تھا۔اس کے پیچھے ایک مطمئن دل، ایک وسیع ظرف شخصیت اور ایک متوازن فکر موجود تھی۔ وہ جانتے تھے کہ مسکراہٹ بھی عبادت ہے اور دل جوئی بھی سنت۔

آج جب مذہبی اور سماجی حلقوں میں تلخی، اشتعال اور غصہ اکثر گفتگو پر غالب دکھائی دیتے ہیں تو ڈاکٹر سرفراز نعیمی جیسے لوگ اور زیادہ یاد آتے ہیں۔انہوں نے اپنی زندگی سے ثابت کیا کہ ایک عالمِ دین بیک وقت صاحبِ علم بھی ہوسکتا ہے، صاحبِ جرأت بھی، اور صاحبِ مزاح بھی۔

اللہ تعالیٰ شہیدِ پاکستان ڈاکٹر سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اور دورِ حاضر کے علمائے کرام کو ان کی وسعتِ قلب، خوش دلی اور اعتدال کا کچھ حصہ بھی عطا فرمائے۔آمین۔

☆☆☆☆☆

فیک نیوز اور سوشل میڈیا کے فتنوں سے حفاظت

محمد آصف سعیدی (فاضل جامعہ نعیمیہ، لاہور)

اکیسویں صدی کو اگر "ڈیجیٹل دور" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ آج معلومات کی ترسیل کا عمل اس قدر تیز ہو چکا ہے کہ دنیا کے ایک کونے میں پیش آنے والا واقعہ چند سیکنڈوں میں پوری دنیا میں پھیل جاتا ہے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز جیسے Facebook، X (Twitter)، YouTube اور TikTok نے جہاں معلومات تک رسائی کو آسان بنایا ہے، وہیں جھوٹی خبروں، افواہوں، کردار کشی، مذہبی منافرت اور فکری انتشار کے دروازے بھی کھول دیے ہیں۔ فیک نیوز صرف ایک خبر کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ فرد، خاندان، معاشرے، ریاست اور پوری امت کے لیے ایک فکری و اخلاقی چیلنج بن چکی ہے۔

اسلام چونکہ حق، صداقت، دیانت اور تحقیق کا دین ہے، اس لیے اس نے خبر کی جانچ پڑتال، سچائی کی پابندی اور افواہوں سے اجتناب کے ایسے اصول عطا کیے ہیں جو آج کے جدید میڈیا دور میں بھی مکمل رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

فیک نیوز کیا ہے؟

فیک نیوز (Fake News) سے مراد ایسی جھوٹی، گمراہ کن یا من گھڑت معلومات ہیں جو جان بوجھ کر یا لاعلمی میں پھیلائی جاتی ہیں۔ بعض اوقات اس کا مقصد سیاسی فائدہ، مالی منفعت، مذہبی اشتعال انگیزی، کردار کشی یا معاشرتی انتشار پیدا کرنا ہوتا ہے۔

آج فیک نیوز صرف تحریری شکل تک محدود نہیں بلکہ جعلی تصاویر، ایڈیٹ شدہ ویڈیوز، مصنوعی ذہانت (AI) سے تیار کردہ مواد اور جھوٹے آڈیو کلپس بھی اس میں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا پہلے سے زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔

قرآنِ مجید اور تحقیقِ خبر کا اصول

اسلام نے خبر کی تحقیق کو ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوٓا إِن جَآئَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا أَن تُصِيبُوا قَوۡمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصۡبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِيۡنَ.

(الحجرات:6)

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانی میں نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔"

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَتَثَبَّتُوا مِنۡ صِحَّةِ الۡخَبَرِ قَبۡلَ الۡعَمَلِ بِهٖ"

یعنی خبر پر عمل کرنے سے پہلے اس کی صحت کی تحقیق کرو۔

یہ آیت آج کے ڈیجیٹل دور کے لیے ایک بنیادی ضابطہ اخلاق ہے۔

سنی سنائی بات پھیلانے کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے خبر کی غیر ذمہ دارانہ ترسیل کو جھوٹ قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

كَفٰى بِالۡمَرۡءِ كَذِبًا أَنۡ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. (صحیح مسلم، مقدمہ، حدیث:5)

"آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کرتا پھرے۔"

یہ حدیث موجودہ سوشل میڈیا کلچر کی سب سے واضح تشریح ہے، جہاں لوگ خبر کی تصدیق کیے بغیر فوراً "فارورڈ" کر دیتے ہیں۔

واقعہ افک: اسلامی تاریخ میں فیک نیوز کا سب سے بڑا واقعہ

اسلامی تاریخ میں جھوٹی خبر کے تباہ کن اثرات کی سب سے بڑی مثال واقعہ افک ہے۔ منافقین نے ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جھوٹا پروپیگنڈا پھیلایا، جس سے مدینہ منورہ میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِيْنَ جَائُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ. (النور:11)

اس واقعے سے یہ اصول سامنے آتے ہیں:

- ہر خبر کو فوراً قبول نہ کیا جائے۔
- کسی کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچانے والی باتوں میں احتیاط کی جائے۔
- تحقیق کے بغیر رائے قائم نہ کی جائے۔
- افواہوں کی اشاعت میں شریک ہونا بھی گناہ ہے۔

اگر آج مسلمان صرف سورۃ نور کے اس واقعے کو سمجھ لیں تو سوشل میڈیا کے اکثر فتنے ختم ہو سکتے ہیں۔

محدثین کا تحقیقی منہج اور جدید میڈیا

اسلام نے خبر کی تحقیق کا جو نظام قائم کیا وہ دنیا کی تاریخ میں منفرد ہے۔ محدثین نے حدیث کی صحت جانچنے کے لیے راویوں کی زندگیوں تک کا جائزہ لیا۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلإِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ، وَلَوْلَا الإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ. (مقدمہ صحیح مسلم)

"اسناد دین کا حصہ ہے، اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہہ دیتا۔"

یہی اصول آج کے دور میں Source Verification کہلاتا ہے۔ کسی بھی خبر کو قبول کرنے سے پہلے اس کے ماخذ، مصنف اور پس منظر کو جاننا ضروری ہے۔

سوشل میڈیا کے بڑے فتنے

1. کردار کشی

آج سوشل میڈیا پر کسی فرد، عالم، سیاست دان یا ادارے کے خلاف جھوٹی مہم چلانا عام ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا. (الحجرات:12)

''اور ایک دوسرے کے عیب نہ ڈھونڈو۔''

یہ حکم صرف زبان کے لیے نہیں بلکہ ڈیجیٹل زبان (پوسٹ، کمنٹ، شیئر) پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

2۔مذہبی اور فرقہ وارانہ نفرت

بعض عناصر مذہبی جذبات کو بھڑکا کر نفرت اور تقسیم پیدا کرتے ہیں۔

قرآن فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا. (آل عمران:103)

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ نہ پھیلاؤ۔''

3۔فحاشی اور اخلاقی انحطاط

سوشل میڈیا کے ذریعے بے حیائی، غیر اخلاقی مواد اور فحش کلچر تیزی سے پھیل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَن تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِيْ الَّذِيْنَ آمَنُوْا. (النور:19)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان والوں میں بے حیائی پھیلانا چاہتے ہیں۔''

4۔وقت کا ضیاع

نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد گھنٹوں غیر ضروری مواد دیکھنے میں صرف کر دیتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ. (صحیح بخاری)

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ خسارے میں رہتے ہیں: صحت اور فراغت۔''

مصنوعی ذہانت (AI) اور فیک نیوز کا نیا خطرہ

مصنوعی ذہانت کے ذریعے Deepfake ویڈیوز، جعلی آڈیوز اور فرضی تصاویر بنائی جارہی ہیں۔ یہ ٹیکنالوجی اگرچہ مفید ہے لیکن غلط استعمال کی صورت میں بہت بڑا فتنہ بن سکتی ہے۔

اس لیے اب صرف خبر ہی نہیں بلکہ تصویر اور ویڈیو کی تصدیق بھی ضروری ہوگئی ہے۔

نوجوان نسل کی ذمہ داری

نوجوان چونکہ سوشل میڈیا کے سب سے بڑے صارف ہیں، اس لیے ان کی ذمہ داری بھی زیادہ ہے۔

انہیں چاہیے کہ:

- ہر خبر کی تصدیق کریں۔
- مستند ذرائع استعمال کریں۔
- جذباتی پوسٹ فوراً شیئر نہ کریں۔
- دینی، علمی اور اصلاحی مواد کو فروغ دیں۔
- سوشل میڈیا کو دعوت واصلاح کا ذریعہ بنائیں۔

فیک نیوز سے بچاؤ کے عملی اصول

1۔ تحقیق کے بغیر کوئی خبر شیئر نہ کریں۔

2۔ کم از کم دو مستند ذرائع سے تصدیق کریں۔

3۔ سنسنی خیز سرخیوں سے محتاط رہیں۔

4۔ کسی فرد کی عزت سے متعلق مواد نشر نہ کریں۔

5۔ جذباتی ردِعمل دینے سے پہلے غور کریں۔

6۔ سوشل میڈیا کے استعمال کے اوقات متعین کریں۔

7۔ اپنی اولاد کی ڈیجیٹل تربیت کریں۔

خلاصہ

فیک نیوز اور سوشل میڈیا کے فتنے عصر حاضر کے بڑے فتنوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ صرف معلومات کا مسئلہ نہیں بلکہ عقائد، اخلاق، معاشرت، سیاست اور قومی سلامتی تک کو متاثر کرتے ہیں۔ اسلام نے چودہ سو سال پہلے خبر کی تحقیق، سچائی، عدل اور ذمہ داری کے جو اصول دیے تھے، وہ آج بھی مکمل طور پر قابلِ عمل ہیں۔ اگر مسلمان قرآن وسنت کی تعلیمات کو اپنائیں، تحقیق کے بغیر کوئی بات قبول یا نشر نہ کریں اور سوشل میڈیا کو خیر، علم اور اصلاح کا ذریعہ بنائیں تو وہ اس فتنۂ عظیم سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

آج کے دور میں "شیئر" کرنے سے پہلے "تحقیق" کرنا صرف صحافتی اصول نہیں بلکہ ایک شرعی اور اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔

☆☆☆☆☆

صحابہ کرام واہل بیت عظام کی باہمی محبت ورشتہ داری

سید غلام زین العابدین (متعلم جامعہ نعیمیہ، لاہور)

محرم الحرام کے بابرکت اور حساس مہینے میں صحابہ کرام اور اہل بیت کی مشترکہ محبت و الفت کو اجاگر کرنا وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ دور حاضر میں فرقہ واریت اور نفرت کے فتنوں کا بہترین علاج یہی ہے کہ امت کو اس مثالی محبت کی طرف لوٹایا جائے جو ان دونوں مقدس گروہوں کے درمیان موجود تھی۔

محرم الحرام کا چاند افق عالم پر نمودار ہوتے ہی دلوں میں ایک عجیب سی کیفیت، رقت اور سنجیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ مہینہ جہاں ہمیں اسلامی تاریخ کے عظیم الشان واقعات کی یاد دلاتا ہے وہاں نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے جانثار رفقاء کی اس لازوال قربانی کی یاد بھی تازہ کرتا ہے جو انہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ اور بقائے دین کے لیے میدان کربلا میں پیش کی۔

لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دور حاضر میں جہاں امت مسلمہ کو سیاسی، معاشی اور فکری اعتبار سے اتحاد کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ دشمنان اسلام نے اس بابرکت مہینے اور ان مقدس ہستیوں کے ذکر کو امت کے درمیان تفریق، انتشار اور فرقہ واریت کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ آج کہیں ''ناصبیت'' کے فتنے سر اٹھا رہے ہیں تو کہیں ''رافضیت و خارجیت'' کے سیاہ بادل گہرے ہو رہے ہیں ایک گروہ اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کو اپنا شیوہ بنا چکا ہے، تو دوسرا گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کی آڑ میں اہل بیت عظام کے فضائل سے پہلوتہی کرتا نظر آتا ہے۔

ان حالات میں وقت کا سب سے بڑا تقاضا اور فتنوں کا واحد علمی و عملی علاج یہ ہے کہ امت کو یہ باور کرایا جائے کہ محبت صحابہ اور الفت اہل بیت دو الگ الگ راستے نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک ہی صراط مستقیم کے دو روشن کنارے ہیں۔ ایمان کی تکمیل اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک

دل میں ان دونوں مقدس گروہوں کی یکساں تعظیم اور محبت موجود نہ ہو۔

صحابہ کرام اگر شمعِ رسالت کے وہ پروانے ہیں جنہوں نے دین کو ہم تک پہنچایا تو اہل عظام اس گلستانِ نبوت کے وہ مہکتے پھول ہیں جن کی آبیاری خود لسانِ نبوت نے فرمائی۔

لہٰذا ان دونوں کا احترام اتحادِ امت کا ضامن اور دورِ حاضر کے تمام فکری فتنوں کا قطعی علاج ہے۔

باہمی تعلقات: تاریخی حقائق کی روشنی میں

اگر ہم تعصب کا چشمہ اتار کر تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے مابین کوئی دوری یا عداوت نہیں تھی، بلکہ ان کے درمیان محبت، موافقت اور احترام کا ایک ایسا مثالی رشتہ تھا جس کی نظیر انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی اور دین کے معاملے میں ایک دوسرے کے پشت پناہ تھے۔

صحابہ کرام واہل بیت عظام کی باہمی محبت

بعض لوگ اہل بیت اطہار کی شان اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جیسے صحابہ کرام سے ان کی مخاصمت اور لڑائی تھی۔ یونہی اس کے بالعکس بعض لوگ شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم اسی انداز میں بیان کرتے ہیں لیکن حقیقت پسند اشخاص اگر پوری دیانتداری سے مطالعہ کریں تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ کے درمیان بے پناہ محبت اور احترام کا رشتہ قائم تھا اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی فضیلت پر احادیث بیان کرتے ہیں۔

جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا جاتا ہے کہ **"ای الناس کان احب الی رسول اللہ ﷺ قالت فاطمة فقیل من الرجال قالت زوجها ان کان ما علمت صواما قواما"**

"لوگوں میں سے رسول کریم ﷺ کو سب سے زیادہ پیارا کون تھا؟ تو آپ فرماتی ہیں

فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پھر پوچھا جاتا ہے کہ مردوں میں سے کون زیادہ محبوب تھا؟ فرماتی ہیں ان کے شوہر یعنی (حضرت علی رضی اللہ عنہ)'' (ترمذی شریف، جلد2، مناقب ماجاء فی فضل فاطمہ، ص226)

اگر خدانخواستہ ان کے درمیان کوئی مخاصمت یا رنجش ہوتی تو وہ ایسی حدیث بیان نہ کرتے۔

اہل بیت کرام سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عقیدت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں بیٹھتے ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دور سے دیکھا کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں دیکھتے ہی ان کے لیے جگہ بنادی اور خود ایک طرف ہٹ گئے۔ نبی پاک ﷺ نے انہیں نہیں دیکھا تھا اس لیے فرمایا: اے ابوکر! تجھے کس چیز نے مجھ سے دور کیا؟ عرض کی:

هذا عمک یا رسول اللہ ﷺ

''اے اللہ کے رسول آپ کے چچا جان آ رہے ہیں۔''

فسر بذالک النبی حتیٰ رؤی ذالک فی وجهه.

''نبی پاک ﷺ اس عمل سے بہت خوش ہوئے تا آنکہ یہ خوشی آپ کے چہرہ مبارک میں دیکھی جاسکتی تھی۔'' (ابن عساکر، کنز العمال، ج13، ص510)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

ارقبوا محمدا فی اهل بیته.

رسول کریم ﷺ کے اہل بیت سے معاملہ کرنے میں آپ ﷺ کی نسبت کا خیال رکھا کرو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلے سے قحط سالی میں بارش کے لیے دعا مانگنا:

فقال: اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبیناﷺ فستقینا، وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقینا. قال :فسیقون. (بخاری شریف،جلد1،حدیث1010)

’’اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کریمﷺ کا وسیلہ پیش کرتے تھے تو ہم پر بارش برساتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبیﷺ کے چچا جان کا وسیلہ پیش کرتے ہیں کہ ہم پر بارش برسا۔پس ان پر بارش برسی‘‘

قال حدثنی علی بن محمد بن علی الرضا عن ابیہ عن آبائہ عن الحسن بن علی علیھم السلام قال قال رسول اللہﷺان ابا بکر منی بمنزلة السمع و ان عمر منی بمنزلة البصر و ان عثمان منی بمنزلة الفواد.

راوی کہتا ہے مجھے امام علی تقی نے یہ حدیث سنائی ان کو ان کے والد امام محمد نقی نے اپنے باپ دادا (حضرت امام موسیٰ کاظم ،امام جعفر صادق ،امام محمد باقر ،امام زین العابدین اور امام حسین سے نسل در نسل) روایت کی اور آگے یہ حدیث حضرت امام حسن بن علی نے روایت کی کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ابوبکر میرے لیے ایسے ہیں جیسے میرے کان اور عمر میرے لئے ایسے ہیں جیسے میری آنکھیں اور عثمان میرے لیے ایسے ہیں جیسے میرا دل۔

(معانی الاخبار الشیخ الدوق،ص387،مطبوعہ،بیروت)

اہل بیت رسول کا صحابہ کرام سے محبت

حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے شیخین کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

ھما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق وماتا علیہ فعلیھما رحمة اللہ الیٰ یوم القیامة . (حقائق الحق مصنفہ نور اللہ شوستری،ص14)

’’وہ دونوں عدل وانصاف کرنے والے امام ہیں وہ حق پر کاربند تھے اور حق پر ہی قائم رہ کر دنیا سے رخصت ہوئے تو ان دونوں پر روز حشر تک اللہ کی رحمت ہو۔‘‘

محمد بن حنفیہ بیان کرتے ہیں:

قلت لابی ای الناس خیر بعد النبیﷺ قال ابو بکر قال قلت ثم من قال عمر و خشیت ان یقول عثمان قلت ثم انت قال ما انا الارجل من المسلمین. (بخاری شریف، جلد1، حدیث3671)

''میں نے اپنے والد ماجد حضرت علی سے عرض کی رسول اللہﷺ کے بعد تمام لوگوں میں سب سے بہترین کون ہے؟ فرمایا: ابوبکر میں نے عرض کی پھر کون ہے؟ فرمایا عمر محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ اب آپ عثمان غنی کا نام ذکر کریں گے تو میں نے کہا اس کے بعد پھر آپ (افضل) ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا میں تو صرف عام مسلمانوں جیسا آدمی ہوں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف زبان دراز کر کے اہل بیت کی محبت کا دم بھرنا پر لے درجے کی ضلالت ہے یہ اہل بیت سے محبت نہیں بلکہ ان سے دشمنی ہے۔

خلفاء ثلاثہ اور اہل بیت عظام میں رشتہ داریاں

ان ہستیوں کے باہمی تعلقات اتنے گہرے تھے کہ ان کے درمیان کثرت سے رشتہ داریاں موجود تھیں۔ اس قدر مضبوط و مستحکم خاندانی و ایمان رشتوں میں بندھے ہوئے تھے کہ اس تعلق کو کوئی بھی ایک دوسرے سے ختم نہیں کر سکا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں شیخین حضورﷺ کے سسر۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نبی کریمﷺ کے داماد۔

حضورﷺ اور حضرت صدیق اکبر دونوں ہم زلف ہیں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر کے بیٹے محمد بن ابی بکر کے ہم زلف تھے اور امام زین العابدین کے خالہ زاد بھائی تھے۔ (ابن حدید شرح نہج البلاغہ، ج4، ص5)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

کل نسب و سبب ینقطع یوم القیامة الا ما کان من سببی و نسبی.

قیامت کے دن ہر نسب اور رشتہ منقطع ہو جائے گا سوائے میرے نسب اور رشتہ کے۔

اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ ان کی خاندان نبوت سے رشتہ داری قائم ہو جائے آپ نے اپنی اس خواہش کا اظہار حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ کی اس درخواست کو قبول فرمایا اور اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی ام القاسم کا نکاح حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پوتے مروان بن ابان بن عثمان سے ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد 8)

اہل بیت عظام کا خلفاء کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھنا

یہ فطری بات ہے کہ لوگ اپنے بچوں کے نام ہمیشہ باکردار، پسندیدہ، نیک سیرت اور صالح لوگوں کے نام پر رکھتے ہیں۔

اسی طرح اہل بیت کرام کے مقدس نفوس نے بھی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق سے عقیدت و محبت کا اظہار مختلف انداز سے کیا۔

مشہور مؤرخ مکتبہ اہل تشیع فکر کے ''یعقوبی'' نے لکھا ہے۔

و کان له من الولد الذکور اربعه عشر، و ذکر الحسن والحسین وعبید اللّٰہ و ابوبکر.

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی 14 نرینہ اولاد تھی ان میں حضرات حسنین کریمین کا تذکرہ کیا اور ان میں سے عبید اللہ اور ابوبکر کا نام بھی ذکر کیا۔ (تاریخ الیعقوبی، ج2، ص213)

اختتامیہ:

الحاصل یہ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی محبت اسلام کے دو ایسے ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم واستوار ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک امتِ

مسلمہ ان دونوں پاکیزہ ہستیوں کے احترام اور اسوہ پر کاربند رہی۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے مغلوب نہ کر سکی۔ دورِ حاضر کے فتنوں، فرقہ واریت کی آگ اور فکری انتشار کا واحد اور حتمی علاج یہی ہے کہ ہمیں یہ بات کھلے دل سے تسلیم کرنی ہوگی کہ اہل بیت کی سچی محبت صحابہ کرام کے احترام کے بغیر ادھوری ہے اور صحابہ کرام کی حقیقی پیروی اہل بیت عظام کی الفت کے بغیر ناممکن ہے۔

محرم الحرام کا یہ مقدس مہینہ صرف آنسو بہانے یا ماضی کے اختلاف کو ہوا دینے کے لیے نہیں آتا بلکہ یہ ہمیں بیدار کرنے اور امت کو جوڑنے کے لیے آتا ہے۔ امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی لازوال قربانی کا سب سے بڑا پیغام ہی یہی ہے کہ باطل کے سامنے سر نہ جھکایا جائے اور امت کی فکری و عملی اصلاح کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار رہا جائے۔ آج اگر ہم واقعی دورِ حاضر کے فتنوں کو شکست دینا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے منبر و محراب اپنے قلم اور اپنی سوچ کو ''وحدت امت'' کے لیے وقف کرنا ہوگا۔

آیئے اس محرم الحرام میں یہ عہد کریں کہ ہم تفریق کی ہر دیوار کو گرا کر صحابہ کرام کی عظمت کے گیت بھی گائیں گے اور اہل بیت کی محبت کے چراغ بھی روشن کریں گے کیونکہ اسی یکجائی میں امت کی بقا اور فتنوں کا قطعی سدباب ہے۔

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحاب حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

☆☆☆☆☆

پاکستان میں بڑھتی ہوئی عدم برداشت: اسباب اور حل

(بنت خلیل احمد)

تمہید:

پاکستان ایک اسلامی جمہوری اور کثیر الثقافتی ملک ہے، جہاں مختلف مذاہب، مسالک، زبانوں اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں۔ ایسے معاشرے میں امن، رواداری اور برداشت نہایت ضروری ہے۔ بدقسمتی سے گزشتہ چند برسوں میں عدم برداشت، نفرت انگیز، فرقہ واریت، سیاسی کشیدگی اور سماجی تقسیم میں اضافہ ہوا ہے۔ جس نے قومی یکجہتی اور ترقی کو متاثر کیا ہے۔ عدم برداشت نہ صرف معاشرتی امن کو تباہ کرتی ہے بلکہ معاشی، تعلیمی اور سیاسی ترقی کی راہ میں بھی بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا.

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔''

(سورۃ آل عمران:103)

عدم برداشت کا مفہوم اور تعریف:

عدم برداشت سے مراد دوسروں کی رائے، عقائد، مذہب، زبان، ثقافت یا نظریات کو قبول نہ کرنا اور ان کے ساتھ نفرت، تعصب یا امتیازی سلوک کرنا ہے۔ یہ رویہ فرد اور معاشرے دونوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

Helen keller said:

Tolerance is the highest result of education.

''برداشت اعلیٰ تعلیم کا بہترین نتیجہ ہے''

اسلام بھی اختلاف رائے کے باوجود حسن اخلاق اور عدل کی تعلیم دیتا ہے۔

برداشت اور رواداری کی اہمیت اسلامی نقطہ نظر سے:

برداشت ایک مہذب ،ترقی یافتہ اور پرامن معاشرے کی بنیاد ہے۔جب لوگ ایک دوسرے کے نظریات اور عقائد کا احترام کرتے ہیں تو محبت ،اتحاد اور بھائی چارہ فروغ پاتا ہے۔رواداری سے اختلافات پرامن انداز میں حل ہوتے ہیں اور معاشرہ ترقی کرتا ہے۔اسلام بھی محبت،امن،عدل،صبر اور رواداری کا دین ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

ادفع بالتی ھی احسن

''بُرائی کو بہترین طریقے سے دور کرو''

(سورۃ فصلت:34)

حدیث مبارکہ میں ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده.

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہیں''

(صحیح بخاری:ح10)

یہ حدیث دوسروں کو تکلیف نہ پہنچانے اور برداشت اختیار کرنے کی بہترین تعلیم دیتی ہے۔

پاکستان میں عدم برداشت کی موجودہ صورتحال:

آج پاکستان میں مذہبی ،سیاسی ،نسلی اور لسانی بنیادوں پر اختلافات میں اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے۔سوشل میڈیا پر نفرت انگیز مواد، جھوٹی خبریں اور اشتعال انگیز بیانات معاشرتی تقسیم کو مزید بڑھا رہے ہیں۔بعض اوقات معمولی اختلاف بھی شدید تنازع یا تشدد کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس سے قومی اتحاد متاثر ہوتا ہے۔

علامہ اقبال کا قول ہے:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

یہ شعر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ معاشرے کا ہر فرد برداشت اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرے تو پوری قوم ترقی کرسکتی ہے۔

پاکستان میں عدم برداشت کی اقسام:

۱۔مذہبی عدم برداشت:

مختلف مذاہب اور مسالک کے درمیان اختلافات کو دشمنی میں بدل دینا، دوسروں کے عقائد کا احترام نہ کرنا اور نفرت پھیلانا مذہبی عدم برداشت ہے۔

۲۔سیاسی عدم برداشت:

سیاسی اختلافات کو ذاتی دشمنی سمجھنا، مخالف رائے کو برداشت نہ کرنا اور نفرت انگیز رویہ اختیار کرنا سیاسی عدم برداشت کہلاتا ہے۔

۳۔سماجی عدم برداشت:

ذات، طبقے، پیشے یا معاشی حیثیت کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرنا سماجی عدم برداشت ہے۔

۴۔نسلی ولسانی عدم برداشت:

نسل، زبان یا علاقے کی بنیاد پر دوسروں کو کمتر سمجھنا اور ان کے ساتھ امتیازی رویہ اختیار کرنا اس کی مثال ہے۔

۵۔صنفی عدم برداشت:

مردوں اور عورتوں کے درمیان عدم مساوات، خواتین کے حقوق سے انکار اور امتیازی سلوک صنفی عدم برداشت کی صورتیں ہیں۔

پاکستان میں بڑھتی ہوئی عدم برداشت کے اسباب:

ا۔مذہبی انتہا پسندی:

انتہا پسندانہ نظریات لوگوں میں نفرت اور تقسیم کو فروغ دیتے ہیں۔

۲۔سیاسی اختلافات اور نفرت انگیز سیاست:

شدید سیاسی مخالفت اور اشتعال انگیز بیانات معاشرے میں نفرت بڑھاتے ہیں۔

۳۔تعلیمی نظام کی کمزوریاں:

اخلاقی تربیت، برداشت اور تنقیدی سوچ پر کم توجہ نوجوانوں میں عدم برداشت پیدا کرتی ہے۔

۴۔سوشل میڈیا کا منفی استعمال:

جھوٹی خبریں، افواہیں اور نفرت انگیز مواد لوگوں کے درمیان اختلافات کو بڑھاتا ہے۔

۵۔قانون کی کمزور عملداری:

جب قانون پر مؤثر عمل نہ ہو تو نفرت پھیلانے والے عناصر کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔

عدم برداشت کے معاشرے پر اثرات:

ا۔سماجی انتشار:

معاشرے میں اتحاد کمزور اور اختلافات بڑھ جاتے ہیں۔

۲۔تشدد اور بدامنی:

نفرت کی وجہ سے جھگڑے، تشدد اور فسادات میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

۳۔معاشی ترقی میں رکاوٹ:

بدامنی کی وجہ سے سرمایہ کاری، کاروبار اور روزگار متاثر ہوتے ہیں۔

۴۔تعلیمی ماحول پر منفی اثرات:

طلبہ میں اختلاف رائے برداشت کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے اور تعلیمی ماحول خراب ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں برداشت اور رواداری:

اسلام امن ،محبت ،عدل اور رواداری کا دین ہے۔اسلام دوسروں کے حقوق کا احترام ،حسن اخلاق ،صبر،معافی اور اختلاف رائے میں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔نبی کریمﷺ کی سیرت رواداری،رحم دلی اور حسن سلوک کی بہترین مثال ہے۔

عدم برداشت کے خاتمے کے لیے عملی اقدامات:

۱۔معیاری تعلیم کا فروغ:

نصاب میں اخلاقیات، برداشت اور شہری ذمہ داریوں کو شامل کیا جائے۔

۲۔قانون کی مؤثر عملداری:

نفرت انگیز تقاریر،تشدد اور امتیازی سلوک کے خلاف قوانین پر سختی سے عمل کیا جائے۔

۳۔بین المسالک والمذاہب ہم آہنگی:

مختلف مذاہب اور مسالک کے درمیان مکالمہ اور باہمی احترام کو فروغ دیا جائے۔

۴۔سوشل میڈیا کا ذمہ دارانہ استعمال:

درست معلومات،مثبت پیغام اور ذمہ دارانہ صحافت کو فروغ دیا جائے۔

نتیجہ:

عدم برداشت پاکستان کے لیے ایک اہم سماجی مسئلہ ہے جس کے اثرات امن،ترقی اور قومی اتحاد پر پڑتے ہیں۔اگر تعلیم ،اخلاقی تربیت،قانون کی عملداری اور باہمی احترام کو فروغ دیا جائے تو ایک پرامن،ترقی یافتہ اور متحدہ معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔

سفارشات:

☆نصاب میں برداشت اور اخلاقیات کو شامل کیا جائے۔

☆نوجوانوں میں مثبت سوچ اور مکالمے کو فروغ دیا جائے۔

☆سوشل میڈیا پر نفرت انگیز مواد کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

☆ قانون پر بلا امتیاز عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔

☆مذہبی، سیاسی اور سماجی رہنما اتحاد اور رواداری کا پیغام عام کریں۔

☆عوام کا اختلاف رائے کا احترام کریں اور امن و بھائی چارے کو فروغ دیں۔

☆☆☆☆☆

عرفات میں گلستانِ نصیر

بنام

نعیم مہرو رضا

بچہ کار آیدت زگل طبقے!	☆	از گلستان من ببر ورقے
گل ہمیں پنج روز شش باشد	☆	ویں گلستان ہمیشہ خوش باشد
پھولوں کا طبق تیرے کس کام آئے گا	☆	میری گلستان کا ایک ورق لے جا
پھول یہی پانچ چھ روز رہے گا	☆	اور یہ گلستان ہمیشہ تازہ رہے گا
	☆	(حضرت سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)
پریشان پھول افسردہ شگوفے منتشر کلیاں	☆	بہار آئے تو رنگ گلستاں ایسا بھی ہوتا ہے
پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ	☆	افسوس! تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

تراشہ نمبر 1

علامت ولایت ایک ولی کی نظر میں:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مؤسس حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے جو بلا شبہ ولایت اور قربِ خداوندی کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے، درج ذیل فارسی اشعار میں ولی کی تین علامات بیان فرمائی ہیں گویا حضرت نقشبند کی تصریح ذیل کے مطابق جو شخص کم از کم ان علامات کا حامل ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا ولی اور منصب ولایت پر فائز ہوتا ہے فرماتے ہیں:

سہ نشان بود ولی راز نخست دان بہ معنیٰ

کہ چوں روئے او بہ بینی دل تو بد و گراید

''حقیقی ولی کی تین نشانیاں ہیں۔ پہلی نشانی یہ ہے کہ تو اس کے چہرے کو دیکھے تو تیرا دل

اس کا گرویدہ ہوجائے (یعنی اسے دوبارہ دیکھنے کی آرزو تیرے دل میں انگڑائیاں لینے لگے)‘‘۔

دوم آنکہ در مجالس چو سخن کند بہ معنیٰ

ہمہ را، زہستی خود بہ حدیث می رباید

’’دوسری علامت یہ ہے کہ جب وہ مجلس میں اسرار وحقائق بیان کرے تو اس کی باتیں سامعین کے دل موہ لیں اور سنتے رہنے کو جی چاہے‘‘

سوم آن بود بہ معنیٰ ولی اخص عالم

کہ زہیچ عضو اوراحرکات بد نیاید

’’حقیقت میں جہاں کے خاص ترین ولی کی تیسری نشانی یہ ہے کہ اس کے اعضاء سے ناشائستہ حرکات سرزد نہ ہوں (گویا اس کی خلوت وجلوت میں کسی قسم کا تضاد نہ ہو)‘‘۔

(مقدمہ کلیات جامی از ہاشم رضا، بخش نہم، ص170، مطبوعہ چاپ خانہ پیروز، تہران)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ہماری نشست وبرخاست کن لوگوں کے ساتھ ہونی چاہیے؟ آپ نے فرمایا:

من ذکرکم باللّٰہ رویتہ وزاد فی علمکم منطقہ وذکرکم بالاخرہ عملہ‘‘

وہ شخص جس کو دیکھ کر تمہیں اللہ تعالیٰ یاد آجائے، جس کی منطق (باتیں، افکار) تمہارے علم میں اضافہ کرے اور جس کا عمل وکردار تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔

(صورت وسیرت وکردار، گفتار وکردار، افکار)۔(مسند ابی یعلیٰ 2382، مسند عبد ابن حمید 633)

مرشد کامل کی ضرورت واہمیت

خداداد صلاحیت بلاشبہ ایک غیر معمولی نعمت ہے جس کے بغیر انسان کچھ حاصل نہیں کر سکتا، مگر یہ بھی ہے کہ جب تک کسی صاحبِ صلاحیت واستعداد کو، کسی عالی نظر، نیک اور صاحبِ دل کی صحبت میسر نہ آئے تو اس کی صلاحیت فضول کاموں میں صرف ہوجانے کے باعث اکارت ہو جاتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ پانی کے قطرے میں گوہر آب دار بننے کی صلاحیت ہوتی

ہے لیکن جب تک ایک مدت تک آغوش صدف میں نہ رہے، کبھی گوہر آبدار نہیں بن سکتا، گوہر اسی وقت بنے گا جب اسے تربیت گاہ صدف میسر آئے گی ورنہ گوہر تاب دار بننے کی صلاحیت تامہ رکھنے والا وہی قطرہ گندے نالوں اور بول و براز کی نذر ہو کر انہیں کا حصہ بن جاتا ہے۔

لہٰذا وہ تمام انسان جو کسی صاحبِ نظر اور صاحبِ روحانیت کی تربیت کا رخ نہیں کر پاتے، یا ان کے فیضانِ نظر سے محروم ہوتے ہیں، استعداد و صلاحیت رکھنے کے باوجود اور الفاظ کی دنیا کا دھنی ہونے کے باوجود اس قطرہ آب کی مانند ہیں جو آغوشِ صدف میں پرورش نہ پانے کے سبب گوہر آبدار نہ بن سکا اور جس نے اپنی گوہر آمائی کو بول و براز کے تعفن آباد کی نذر کر دیا۔

(نام و نسب، ص55، حضرت سید نصیر الدین نصیر گولڑہ شریف)

صلاحیت نباشد، هیچ شے جز صحبت نیکاں
کہ قطرہ تا نیفتد در صدف ، گوهر نمی گردد

(سید نصیر الدین قدس سرہ)

علامہ مسعود ابن عمر عرف سعد الدین التفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح عقائد نسفی میں ولی کی تعریف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

الولی هو العارف باللّٰه تعالیٰ وصفاته حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانهماک فی اللذات والشهوات.

''ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ عزوجل کی ذات اور اس کی صفات کی جس قدر ممکن ہے معرفت رکھتا ہو۔ (2) عبادات پر مواظبت اور ہمیشگی کرنے والا ہو (3) گناہوں (کبائر) سے پرہیز کرنے والا ہو (4) لذات اور شہوات میں ڈوبے رہنے سے اعراض کرنے والا ہو۔

(شرح العقائد النسفیہ، ص105، ناشر مکتبہ اسلامیہ محلّہ جنگی پشاور)

تراشہ نمبر 2

تصوف،شریعت وطریقت

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ظاہر و باطن میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ہی تصوف ہے، اسی پیروی کا نام شریعت بھی ہے اور طریقت بھی۔ ظاہر کی پیروی شریعت ہے، باطن کی پیروی طریقت ہے۔ ہم تو ظاہر میں بھی پیروی نہیں کر رہے بلکہ ہمارا طرز عمل تو باغیانہ ہے، باطن میں کیا پیروی کریں گے، سنیے شریعت اور پیروی سنت رسول اکرم ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

حضرت امام مالک (متوفی 795/179ء) فرماتے ہیں:

جس نے علم فقہ حاصل کیے بغیر راہ تصوف اختیار کی وہ زندیق ہوا اور جس نے علم فقہ حاصل کیا، تصوف کے راستہ پر نہیں چلا وہ فاسق ہوا، جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ صحیح مؤمن ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (متوفی 561ھ/1165ء) فرماتے ہیں:

اگر حدودِ شریعت میں کسی حد میں میں خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑا ہوا ہے، بے شک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی 370ھ/980ء) فرماتے ہیں:

جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے حقیقت نہیں بے دینی ہے۔

حضرت جنید بغدادی (متوفی 297ھ) فرماتے ہیں:

جس نے نہ قرآن یاد کیا، نہ حدیث لکھی (یعنی شریعت سے آگاہ نہ ہوا) طریقت میں اس کی اقتداء نہ کریں، اسے اپنا رہبر نہ بنائیں کہ ہمارا یہ علم طریقت بالکل کتاب سنت کا پابند ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی (متوفی 638ھ/1240ء) فرماتے ہیں:

خبردار! علم ظاہر جو شریعت کی میزان ہے اسے ہاتھ سے نہ چھوڑنا بلکہ جو کچھ اس کا حکم

ہے فوراًاس پر عمل کرو۔

حضرت امام غزالی (متوفی 505ھ / 1111ء)۔ حضرت شیخ سری سقطی (متوفی250ھ/864ء) کی دعا کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس نے پہلے حدیث وعلم حاصل کر کے تصوف میں قدم رکھا وہ فلاح کو پہنچا، اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے صوفی بننا چاہا اس نے اپنے آپ کو ہلاک میں ڈالا۔

حضرت شیخ عارف ریوگری (متوفی634ھ/1236ء) فرماتے ہیں:

اے عارف! جب تک اپنے اقوال واعمال واحوال میں بغیر کمی بیشی کے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت سنیہ اور شریعت رفیعہ کی پیروی نہ کرے گا، بلاشبہ تو مقبولوں اور اصلوں کے زمرے میں نہ ہوگا۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی (متوفی973ھ/1565ء) فرماتے ہیں:

(الف) تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے، علم تصوف چشمہ شریعت سے نکلی نہر ہے۔

(ب) تمام اولیاء کرام کا اجماع ہے کہ طریقت میں صدر بننے کا لائق نہیں مگر وہ علم شریعت کا دریا ہوا۔

حضرت شیخ احمد سرہندی (متوفی1034ھ/1624ء) فرماتے ہیں:

طریقت وشریعت ایک دوسرے کے عین مطابق ہیں، بال برابر بھی ان دونوں میں فرق نہیں جو چیز شریعت کے خلاف ہے وہ مردود ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی1052ھ/1642ء) فرماتے ہیں:

تصوف فقہ کے بغیر نہ صرف یہ کہ کافی نہیں بلکہ صحیح ہی ہیں، تصوف کی طرف رجوع فقہ کے ساتھ جائز ہے۔

حضرت شیخ عبدالغنی نابلسی (متوفی1143ھ/1730ء) فرماتے ہیں:

اے عاقل! اے حق کے طالب! دیکھو یہ علمائے مشائخ طریقت یہ کبرائے ارباب حقیقت سب کے سب شریعت مطہرہ کی تقسیم کررہے ہیں۔

حضرت حاجی محمد امداد اللہ چشتی مہاجر مکی (متوفی 1310ھ/1892ء) تحریر فرماتے ہیں:

پہلا مرتبہ (زبان سے اقرار) شریعت ہے اور دوسرا مرتبہ (دل کی تصدیق) طریقت، ان سے کوئی مرتبہ بھی دوسرے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ حدیث شریف ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہی ہے'' کی مراد یہی دل کی تصدیق ہے۔

(تقریظ بر انوار التجید فی ادلۃ التوحید، از مفتی محمد انوار اللہ سابق مدیر المہام امور مذہبی ریاست، حیدر آباد دکن)

حضرت امام احمد رضا بریلوی (متوفی 1340ھ/1941ء) فرماتے ہیں:

یقیناً طریقت راہ ہی کا نام ہے اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بہ شہادت قرآن عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک، جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں، کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل و مردود فرما چکا، لاجرم ضرور ہوکہ طریقت یہی شریعت ہے۔

(مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء، ص7، مطبوعہ بزم قاسمی کراچی، 1337ھ)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہر صوفی، ہر ولی شریعت کی بات کر رہا ہے، ظاہر و باطن میں شریعت پر عمل ہی تقویٰ ہے، متقی ہی صوفی اور ولی ہے جس کے لیے قرآن کا ارشاد ہے: اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں۔ (الانفال:34)

(ماہ نامہ المظہر، کراچی شمارہ 157، فروری 2015ء، جلد 13)

☆☆☆☆☆

Monthly **ARAFAT** Lahore

REGD.CPL.No.46

عالم اسلام کی عظیم دینی درسگاہ

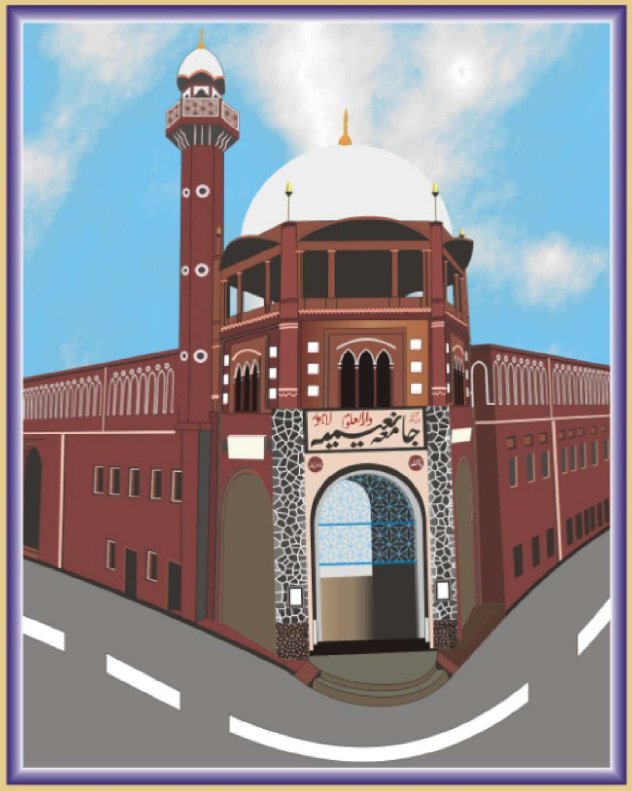

DAR-UL-ULOOM JAMIA NAEEMIA LAHORE

ALLAMA IQBAL ROAD, GARHI SHAHU LAHORE.